خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد: ۱ — شمارہ: ۴۳

۱۱-۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی — محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس — منہاج برنا

افضل صدیقی — ایم کے جنجوعہ

نائب مدیران

اشرف شاد — وہاب صدیقی

عکاس: الطاف رانا آرٹ: غلام نبی نرمی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے:-	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت ——— ۶۰ فلس

دوبئی، قطر ——— ۵، درہم

سعودی عرب ——— ۱۵ قرش

انگلستان ——— ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقامِ اشاعت

دفتر ہفت روزہ الفتح ۸۰، ڈی نرسری کمرشل ایریا پی - ای - سی - ایچ - ایس - کراچی — ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ - مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

مقالۂ خصوصی

ہم مذمت کرتے ہیں

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن افراد اور سیاسی جماعتوں کی جن کے اقدامات کی وجہ سے ہمارا وطن اِس وقت اپنی تاریخ کے نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن افراد اور سیاسی جماعتوں کی جن کی وجہ سے اب پاک افواج کی وہ گولیاں۔ جو وطنِ عزیز کے دُشمنوں کے سینوں میں پیوست ہونی چاہئیں آج اپنے ہی ہم وطن نہتے مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں پر چل رہی ہیں اپنے ہی وطن کی شاہراہوں پر اپنے ہی ہم وطنوں کا خُون بکھر رہا ہے۔ یہ خون کب تک بہتا رہے گا۔ یہ لہُو کب تک سڑکوں کو رنگین کرتا رہے گا۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اکثریتی، اقلیتی جماعت یا کسی اور طاقت کی آمریت کی ہم صرف عوام کی آمریت کے قائل ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن افراد اور سیاسی جماعتوں کی۔ جو وطنِ عزیز کے کسی بھی حِصّے پر وہاں کے باشندوں کی مرضی کے خلاف اپنے فیصلے کو ٹھونسنا چاہتی ہیں

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن تمام سازشوں کی جو عوام کو اقتدار منتقل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن تمام افراد اور سیاسی جماعتوں کی۔ جو امریکی اور رُوسی سامراج کے ساتھ ساز باز کرکے مُلک کو پانچ خود مختار ریاستوں میں بانٹ دینا چاہتی ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— امریکہ، روس اور بھارت کی جو پاکستان کے معاملات میں مداخلت کرکے یہاں کے سرمایہ داروں اور دُوسری طاقتوں کے ساتھ مل کر عوام کے ساتھ سازشیں کر رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن وطن دُشمن عناصر کی۔ جو بھٹو مجیب کشمکش کا سہارا لے کر وطن کے خلاف سازشوں اور وطن میں نفرت پھیلانے کا مذموم کاروبار کر رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن تمام اخبارات و رسائل کی۔ جو عوام کو حقائق سے بے خبر کرکے امریکی مفادات کی ترجمانی کرتے ہوئے سارے بحران کی ذمہ داری مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی پر ڈال رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اخبارات اور خبروں پر پابندیوں کی۔ جن کے باعث اخبارات عوام تک صحیح خبریں نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— اُن طاقتوں کی۔ جو عوام، مزدوروں، کسانوں، اور طالب علموں کے حقوق غصب کرکے اپنی آمریت قائم رکھنا چاہتی ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— مغربی پاکستان کے اُن سیاسی رہنماؤں کی۔ جو مشرقی پاکستان میں کسانوں، مزدوروں اور طالب علموں پر ظلم و تشدّد کے خلاف آواز بلند نہیں کر رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں ——— مشرقی پاکستان کے اُن سیاسی رہنماؤں کی جو امریکی سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے ہاتھوں میں کھیلتے ہوئے ملک میں نفاق کے بیج بو رہے ہیں اور مشرقی پاکستان کو آئینی طور پر علیحدہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔



چھ نکات کے سلسلے میں گذشتہ پندرہ دنوں میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان جو "منہ زبانی" ٹورنامنٹ منعقد ہو چکا ہے اور دستور سازی اور قیامِ جمہوریت کے مراحل جس نوع سے تعطل کا شکار رہ چکے ہیں اس کو یاد کیجیے تو اب چھ نکات کے نام ہی سے ڈر لگتا ہے "اور کہیں ایسا نہ ہو جائے۔ کہیں ویسا نہ ہو جائے" والی کیفیت پھر سے عود کر آتی ہے۔

شیخ صاحب! ۶ نکات میں ترمیم کرنا پڑے گی

پروفیسر عتیق احمد

یہ چھ نکات اپنی جگہ کیا ہیں؟ اور ان پر بنیاد مشرقی اور مغربی پاکستان کا سیاسی اور اقتصادی نظام کس نہج پر ہوگا اور فی الواقع کن خطوط پر ہونا چاہیئے؟ اس سے پیشتر کہ چھ نکات پر مبنی سیاسی اور اقتصادی نظام کی بات ہو ایک یہ بنیادی بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ دستور خواہ چھ نکات پر ہو یا چھ سو نکات پر یا صفر نکتہ پر، دستور کی روح ایک ایسی منصف مزاج جمہوریت پر ہو جس میں طبقاتی استحصال کے ساتھ ساتھ انفرادی اور عددی اکثریت کی بنا پر یا دوسری انتظامی وجوہ کی بنا پر، نہ مغربی پاکستان آئندہ مشرقی پاکستان کا استحصال کر سکے اور نہ اس کے برعکس مشرقی پاکستان سے کوئی اقتصادی یا سیاسی انتقامی کارروائی کر سکے۔ شیخ صاحب خود ہی اس بات کا یقین دلا چکے ہیں اور اس بات میں کسی کو شبہ نہیں رہ جانا چاہیے کہ شیخ صاحب کی اس یقین دہانی میں کوئی وقتی مصلحت کارفرما ہے۔ یہی جذبہ اور یہی روح دونوں صوبوں کے اقتصادی نظام میں جاری و ساری ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ مغربی پاکستان میں بھی ایسے علاقے بہت ہیں جن میں مشرقی پاکستان ایسی ہی غربت اور افلاس کا دور دورہ ہے۔ تفصیل سے قطع نظر سرحد میں ریاستوں اور قبائل کے عوام کا ۹۰ فیصد، بلوچستان کی پوری آبادی کا ۹۹ فیصد، سندھ میں چولستان کے علاقے کے لوگ بالخصوص صدفی صد اور پنجاب میں ۶۰ فیصد سے زیادہ ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جن کو پورے دن میں ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوتی۔ دوسری سہولتوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ لہٰذا جو آئین مندرجہ بالا دو عوامی مطالبات کی ضمانت فراہم نہیں کرتا وہ خواہ عوامی لیگ کے انتخابی منشور سے ہم آہنگ ہو، پیپلز پارٹی کے انتخابی منشور پر بنیاد رکھتا ہو۔ اس کا عدم اور وجود برابر ہوگا۔ آیئے اب ان دو عوامی تقاضوں کو چھ نکات پر بننے والے دستور کی روشنی میں دیکھیں۔

چھ نکاتی پروگرام اپنی سیاسی بنیاد میں صرف وفاقی پارلیمانی طرزِ حکومت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ وفاقی نظام دو مقننہ پر مشتمل ہوگا یا ایک پر؟ چھ نکاتی پروگرام اس بارے میں خاموش ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ چھ نکاتی پروگرام کے مصنف جناب شیخ صاحب نے اس بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ چھ نکاتی دستور ایک وفاقی نظام کی اجازت دیگا۔ تاہم اصولی طور پر یہ ماننا پڑیگا کہ اگر مجوزہ دستور ایک منصف مزاج سیاسی جمہوریت کا آغاز کرنے کی ضمانت نہیں دے گا تو اس کے معنے عددی اکثریت کی بنا پر عددی اقلیت کے استحصال کی اجازت دستوری طور پر دینے کے مترادف ہوگی۔ لہٰذا وہ دو مقننہ پر مشتمل وفاقی پارلیمانی نظام ہو یا ایک مقننہ پر مشتمل یا کسی دوسری شکل میں۔ بہرحال آئندہ کے سیاسی استحصال کی پیش بندی عوام کی بنیادی سیاسی آزادی کے اصولِ انسانیت کے تحت کرنا لازمی ہے۔

دوسرا اہم تقاضہ۔ جس کو کسی طور پر بھی درجۂ دوئم کی حیثیت حاصل نہیں بلکہ اولیت کا مقام حاصل ہے۔ ایک ایسے نئے اقتصادی نظام کی ضمانت آئندہ دستور سے ملنے کا ہے، جس میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا سازشی ٹولہ اگر وہ نہ صرف عوامی استحصال کے قابل نہ رہ سکے بلکہ اُن کے اثاثوں کو قومی ملکیت میں لے کر ان کے ماضی کی سیاہ کرتوتوں کا عوامی مواخذہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں مشرقی پاکستان کی یہ شکایت سو فیصد سچ ہے کہ مشرقی پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے والے عناصر نے نہ صرف وہاں کے عوام کا خون چوسا ہے بلکہ مغربی پاکستان کو سرمایہ بھی منتقل کیا ہے۔ اور اس کا سدِ باب چھ میں سے اس ایک نکتہ میں موجود ہے۔

"پورے ملک میں ایک ہی کرنسی کی صورت میں ایسا آئینی تحفظ کہ سرمایہ مشرقی پاکستان منتقل نہ کیا جا سکے"

آئندہ کے لئے یہ تحفظ یقینی طور پر دستوری سطح پر ضروری ہے، لیکن اگر چھ نکاتی دستور ہر پاکستانی کے مفادات کے تحفظ کے لئے بنتا ہے اور صرف مشرقی پاکستان کے باشندوں کے لئے نہیں (اور کسی کو اس میں شبہ بھی نہیں ہونا چاہیئے)، تو دستور میں یہ تحفظ بھی ضروری ہے کہ:

"قومی ملکیت میں لینے سے پہلے مغربی پاکستان میں کی گئی سرمایہ کاری کسی شکل میں بھی مشرقی پاکستان منتقل نہیں کی جائے گی۔ یا ماضی کی بنیاد پر انتقامی کارروائی کے تحت مغربی پاکستان کا سرمایہ مشرقی پاکستان منتقل نہیں کیا جائے گا"

بظاہر اس دوسری یقین دہانی کا مطالبہ خاصا مضحکہ خیز نظر آتا ہے لیکن اگر تحفظات ہی دستور کی بنیاد ٹھہرتے ہیں تو اس تحفظ کی گنجائش نکالنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ مغربی پاکستان میں سرمایہ کاری پر بے حد و حساب منافع بھی اس ہی حصہ پاکستان کے مزدوروں اور عوام کی محنت اور جیبوں پر ڈاکہ ڈال کر کمایا گیا ہے اور ۲۳ سالوں میں یہاں کے ۹۹،۹ فیصد عوام نے ان سرمایہ کاروں کی تجوریاں بہرحال اپنے ہی جان و مال کی بھینٹ دے کر بھری ہیں۔ اور اس بے حد و حساب منافع کا ۹۰ فیصد ان ہی مغربی پاکستانیوں کا حق ہے اور اس حق کو مشرقی پاکستان منتقل کرنے کا دوسرا نام عددی اکثریت کے بل پر ایک کھلا استحصال ہے۔ کوئی دوسرا نام اس کے لئے تجویز نہیں کیا جا سکتا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے مطالبات میں سے اولیت چونکہ اقتصادی پسماندگی کو پہلی فرصت اور کم سے کم وقت میں دور کرنا ہے اس لئے چھ نکات میں سے ایک نکتہ یعنی:

"خارجہ پالیسی کی حدود میں وفاقی ریاستیں بیرونی ملکوں سے لین دین، امداد اور تجارتی معاہدے کر سکیں گی"

بالخصوص قابلِ توجہ ہے۔ پاکستان اس وقت پانچ صوبوں اور قبائلی علاقے کی خاص بڑی آبادی پر مشتمل ہے۔ یہ علاقہ صوبہ سرحد کا حصہ بھی نہیں ہے۔ اور مخصوص مراعات کے تحت مخصوص قوانین سے حکم چلایا جاتا ہے۔ چاروں صوبوں کے مقابلے میں یہ علاقہ غربت اور پسماندگی کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے اور عوامی لیگ چونکہ مشرقی پاکستان کی حد درجہ کی غربت اور پسماندگی سے پوری طرح واقف ہے اس لئے اس علاقے کی حالتِ زار کا اندازہ اس کے لئے مشکل نہیں ہے اور مشکل تو فی الواقع پورے مغربی پاکستان کی غربت کا اندازہ لگانے میں بھی انہیں نہیں ہونی چاہیئے۔ اب چونکہ داخلی آزادی یا صوبائی آزادی کا مطالبہ ون یونٹ کے ٹوٹنے کے

باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیے







پسِ پردہ

بہت کچھ ہو چکا ہے

امریکی جرنیل نے سرحدوں کا پُراسرار دورہ کیا

محمود شام

یکم مارچ سے آج ۱۰ر مارچ تک کتنی تیزی سے حالات تبدیل ہوئے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں افسوسناک صورت حال، صدر یحییٰ کی طرف سے ۱۰ر مارچ کو گول میز کانفرنس کی دعوت مجیب کا انکار۔ ۲۵ر مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس کا اعلان، مجیب کی چار شرائط کی قبولیت کے بعد اجلاس میں شرکت پر غور کرنے کا اعلان۔ مشرقی پاکستان میں لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خاں کی گورنر کی حیثیت سے تقرری۔ یہ تمام واقعات پانچ چھ روز میں انتہائی تیزی سے رونما ہو گئے ہیں۔ پاکستان کا عام طبقہ تو اس وقت سوائے دعاؤں کے اور اپنے آپ کو کسی بات کا اہل نہیں سمجھ رہا ہے۔ کیونکہ یہ ساری تبدیلیاں بالا بالا ہو رہی ہیں۔ مغربی پاکستان میں خاص طور پر اس وقت لوگ اپنے رہنماؤں کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ انہیں براہ راست بتائیں کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ اخبارات کی اکثریت اس وقت اپنا وہی کردار ادا کر رہی ہے جس کا ان کے آقا امریکہ کی طرف سے اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کوئی محب وطن لیڈر یا اخبار مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوام کو ان سازشوں سے آگاہ نہیں کر رہا۔ جو امریکہ کے ایجنٹ ملک کو امریکہ کی گود میں ڈالنے کے لئے کر رہے ہیں۔ پاکستان کی اکثریتی پارٹی مگر صرف مشرقی پاکستان کی نمائندہ جماعت عوامی لیگ کے سربراہ نے ۲۵ر مارچ کو ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے بارے میں صرف اس صورت میں "غور" کرنے کا وعدہ کیا ہے جب ان کے چار مطالبات پورے کر دیئے جائیں۔

۱۔ مارشل لا ختم کر دیا جائے۔

۲۔ فوج بیرکوں میں واپس بلائی جائے۔

۳۔ مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر قتل عام کی تحقیقات کرائی جائے۔

۴۔ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔

ان چار مطالبات کا اصل حاصل یہ ہے کہ صدر یحییٰ اقتدار کو پلیٹ میں رکھ کر شیخ مجیب الرحمٰن کے حوالے کر دیں۔ اس سلسلے میں کسی قانون، آئین اور رکھ رکھاؤ کا خیال نہ کریں۔ شیخ مجیب الرحمٰن اقتدار کی منتقلی کے لئے اتنے بے تاب کیوں ہیں۔ اس لئے کہ نہایت ٹھنڈے دل سے اور معروضی طور پر حالات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے عوامی لیگ کے کردار پر ہم کھل کر بات کر چکے ہیں کہ یہ مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار کی نمائندگی کرتی ہے۔ مشرقی پاکستان کی محب وطن، انقلابی اور سوشلسٹ قوتوں کے شیخ صاحب شدید مخالف ہیں۔ مجیب الرحمٰن نے آج تک مغربی پاکستان کے استحصالی گروہ اور پنجاب کے حکمران ٹولے کی تو مخالفت کی ہے۔ لیکن سامراج — امریکی یا روسی — کسی کی مخالفت نہیں کی۔ جنوب مشرقی ایشیا میں سی آئی اے کے جو منصوبے ہیں وہ "الفتح" میں کئی بار افشا کئے جا چکے ہیں۔ اپنے ان منصوبوں کی تکمیل کے لئے امریکہ کو جو قوتیں ہاتھ لگی ہیں مشرقی پاکستان میں ان کی نمائندگی شیخ مجیب الرحمٰن کرتے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگالی قومیت کا نعرہ بلند کر کے مشرقی پاکستان کے عوام کی حمایت حاصل کی ہے۔ انہیں مشرقی پاکستان کی امریکہ نواز بیوروکریسی، مغربی پاکستانی محب وطن سیاست دانوں کی مشرقی پاکستان میں عدم دلچسپی نے مشرقی پاکستان میں اب ۱۶۲ سیٹوں کا حامل بنا دیا۔ اب وہ بیتاب تھے کہ چھ نکات پر عمل درآمد کرتے ہوئے ایسا دستور بنائیں جو ان کے تابع ہو اور وہ جس کی آڑ میں مشرقی پاکستان میں امریکی اثر و نفوذ کی کھلی اجازت دے سکیں۔ مغربی پاکستان کے محب وطن سیاست دانوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے چاہا کہ مجیب صاحب سے ان نکات پر پہلے سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے جن سے ملکی سالمیت خطرے میں پڑ رہی ہے۔ اور مجیب صاحب کو ایک سمجھوتے کا پابند کر کے ملک دشمن اور امریکہ نواز آئین بنانے میں اپنی اکثریت استعمال کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ مگر مجیب صاحب نہیں مانے اور اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اڑے رہے۔

مجیب پبنہ، کھلنا
چٹاگانگ اور
راجشاہی میں
ناکام ہو گئے ہیں

اسی اثنا میں امریکی سفیر اور قونصلر کی سرگرمیاں، مجیب الرحمٰن سے ملاقاتوں کے سلسلے جاری رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ معنی خیز دورہ ایک امریکی جنرل کا ہے۔ جس کی خبر کہیں نہیں چھپی۔ ڈھاکہ کے انگریزی ہفت روزہ "ہالیڈے" کے ایک مضمون میں اس بات کا انکشاف کیا گیا کہ ایک امریکی جنرل چپکے سے بھارت سے مشرقی پاکستان آئے۔ انہوں نے ہیلی کاپٹر پر مشرقی پاکستان کی ساحلی سرحدوں کا معائنہ کیا اور پھر اسی خاموشی سے واپس چلے گئے۔ اس سے پہلے طوفان زدہ علاقوں میں امریکہ اور برطانیہ فوجیں اتارنے کی ریہرسل کر چکے ہیں۔ اس وقت امداد تقسیم کرنے کے بہانے امریکی اور برطانوی فوجی دستے ان علاقوں میں آ رہے اور انہوں نے آزادانہ نقل و حرکت کی۔ یہ لوگ کس کی اجازت سے آئے تھے۔ کچھ خبر نہیں۔ اس پر مشرقی پاکستان سے صرف مولانا بھاشانی نے اور مغربی پاکستان سے مسٹر بھٹو نے پُرزور احتجاج کیا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ حالانکہ یہ بڑی سنگین صورت حال تھی۔ اب امریکی جنرل کا ساحلی دورہ اور ادھر چین کی حکومت نے امریکہ کو تنبیہ کیا ہے کہ امریکہ کے ایک فوجی طیارے نے چینی علاقہ پر پرواز کی ہے۔ ایک ترجمان نے کہا ہے کہ یہ طیارہ کوانگ تنگ اور یونان کے سرحدی علاقے پر پرواز کر رہا تھا۔ اس صورت حال میں کمبوڈیا اور لاؤس میں امریکی فوجی قوت میں اضافہ بھی اس امریکی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ امریکہ بحر ہند کے ایک جزیرہ ڈیگو گارشیا میں ایک مواصلاتی اڈہ پہلے ہی قائم کر چکا ہے۔ کولمبو کے انقلابی نوجوانوں نے اس پر سخت احتجاج کیا ہے۔ امریکہ کو اس علاقے میں اپنا اثر و نفوذ بڑھانے کے لئے مشرقی پاکستان کو

اسمبلی سے پہلے ایک آئینی سمجھوتہ اشد ضروری ہے

اپنی گرفت میں لینا ضروری ہے۔ اس ضرورت کو شیخ مجیب الرحمن پورا کر رہے ہیں۔ اگر موجودہ صورت حال برقرار رہتی ہے تو امریکہ براہ راست مداخلت نہیں کر سکتا۔ اگر کچھ کرتا ہے تو یہ ایک دوسرے ملک کے اندرونی امور میں مداخلت ہوگی سیا ایک ملک پر حملہ ہوگا۔ شیخ صاحب کے مطالبات تسلیم کرنے کے بعد صورت حال یہ ہوگی کہ قانونی طور پر شیخ مجیب الرحمن ملک کے سربراہ ہوں گے اور وہ اس حیثیت سے امریکہ کو دعوت دے سکیں گے کہ وہ اقتصادی طور پر ان کی مدد کرے۔ یوں امریکہ قانونی طور پر مشرقی پاکستان میں نقل و حرکت کر سکے گا۔ اس مداخلت پر کوئی دوسرا ملک اعتراض نہ کر سکے گا۔ اور یہاں امریکی نقل و حرکت ظاہر ہے کہ چین کے خلاف ہوگی۔ اور مشرقی پاکستان ایک امریکی اڈہ بن جائے گا۔ مجیب امریکہ کے لئے آسان ترین راستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مجیب صاحب کو مشرقی پاکستان کی بیوروکریسی اور پولیس کی بھی حمایت حاصل ہے۔ مجیب صاحب کی دعوت پر مشرقی پاکستان کے سرکاری شعبوں نے ہڑتال کو جس طرح کامیاب بنایا ہے یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی آپس میں کس حد تک سازباز ہے۔ مجیب صاحب نے اپنی ۷ مارچ کی تقریر میں اس بات کا اعتراف یوں کیا ہے:

"سات روز کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ پورے بنگلہ دیش میں تمام سرکاری اداروں نے ہمیں جائز انتظامیہ تسلیم کر لیا ہے۔ اور ہماری ہدایات پر عمل کر رہے ہیں۔ اس بنیادی حقیقت کو صدر اور اسلام آباد کی حکومت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آئندہ ہفتہ کے لئے جو پروگرام پیش کیا ہے۔ اس میں ریلوے اور بندرگاہوں کے عملے کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے کام نہ کرے۔"

اس طرح کی صورت حال پیدا کر کے آخر کس کے لئے راستہ صاف کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ مغربی پاکستان میں کون لوگ مجیب کا ساتھ دے رہے ہیں۔ نیپ (ولی)، جس نے آج تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا، اکھنڈ بھارت کے قیام کی متمنی ہے۔ جمعیت علمائے اسلام جو اپنی سیاسی حیثیت تسلیم کروانے کی فکر میں ہے۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں۔ جو تحریک پاکستان کے مخالف رہے۔ اصغر خاں جن کے سی آئی اے ایجنٹ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ نور خاں اور نوابزادہ شیر علی خاں جو امریکی مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی جس نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ یہی لوگ ہیں جو انتخابات کے دنوں میں چھ نکات کی مخالفت کرتے رہے۔ کیونکہ مغربی پاکستان میں اسی مخالفت کے ذریعہ وہ کامیاب ہو سکتے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اس حصے میں امریکہ دشمن پیپلز پارٹی کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ اب صورت حال بدل گئی ہے تو وہ چھ نکات کی حمایت کر کے شیخ

آئین کے بغیر انتقال اقتدار کا مقصد امریکی منصوبے کو مشکلات سے بچانا ہے

مجیب الرحمن کو فوری طور پر اقتدار منتقل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ امریکہ کے لئے راستہ صاف ہو سکے۔ ان کے انتخابات اور اس کے بعد کے موقف میں قطعی تضاد سے خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اصل سازش کیا ہے؟ مغربی پاکستان سے عوامی لیگ کے جتنے ہم نوا ہیں، وہ بھارت نواز، امریکہ نواز اور روس نواز ہیں۔ اس سے ہی اس سازش کے مضمرات کا احساس کیا جا سکتا ہے۔ اخبارات میں سے شیخ مجیب الرحمن کی حمایت کرنے میں جسارت (جماعت اسلامی کا ترجمان)، ڈان اور حریت (ہارون گروپ) سن (پڑ اسرار گروپ کا ترجمان) مورننگ نیوز (امریکہ نواز) اور دوسرے پیش پیش ہیں۔ وہ اس صورت حال کی ساری ذمہ داری بھٹو پر ڈال رہے ہیں۔ اور عوام کو مجرمانہ طور پر دیدہ دانستہ ان سامراجی منصوبوں سے بے خبر رکھ رہے ہیں۔

جن کے تحت مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

موجودہ عبوری حکومت اور مسلح افواج اس وقت کیا کریں۔ شیخ مجیب الرحمن اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں جس سے عوام اور فوج میں تصادم ہو، وہ اس طرح دنیا بھر میں پاکستانی افواج کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر کے اپنے لئے ہمدردی کے احساسات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مسلح افواج کو اس بات کا از خود بھی احساس ہوگا کہ مجیب کا دائرہ اختیار صرف ڈھاکے تک محدود رہا ہے۔ ان کی اپیل بھی صرف ڈھاکے میں کارگر ہوئی۔ انہوں نے پہلے مطالبہ بھی یہی کیا تھا کہ ڈھاکے سے فوج واپس بلائی جائے۔ پبنہ، کھلنا میں اس وقت جو صورت حال ہے وہ مجیب صاحب کی گرفت میں نہیں ہے۔ مجیب صاحب کی اپیل پر ڈھاکے کے ساتھ ساتھ پبنہ، کھلنا، چٹاگانگ اور راجشاہی میں کیوں امن و امان قائم نہ ہو سکا۔ وہاں جو لوگ عوامی جدوجہد کر رہے ہیں وہ مجیب صاحب کی اپیل پر نہیں ہے۔

فوج کو اس سلسلے میں حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ ہم عوام، مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کے قتل عام کی پر زور الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہماری افواج کو اس انتہائی اقدام کی بجائے یہاں کے عوام کو اعتماد میں لینا چاہئے تھا۔ اور انہیں ان سازشوں سے خبردار کرنا چاہئے۔ جس کے تحت یہ صورت حال پیدا کی جا رہی ہے مشرقی پاکستان کی رائے عامہ قطعی طور پر امریکہ کے حق میں نہیں ہے۔ عوام سوشلسٹ بنیادوں پر صوبائی خود مختاری اور خوشحالی چاہتے ہیں۔ اور وہ کسی صورت میں اپنی سرزمین کو چین کے خلاف ایک امریکی اڈہ نہیں بننے دیں گے۔ اور وہ امریکی منصوبوں کی تکمیل میں مجیب کے ہاتھ مضبوط نہیں کریں گے۔ عوام کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے تو محب وطن قوتیں امریکہ نواز عناصر سے نمٹنے میں قانون کے محافظوں کا ساتھ دیں گی اور مجیب صاحب خود اپنے جال میں اسیر ہو جائیں گے۔

مجیب صاحب نے موجودہ مطالبات پیش کر کے صورت حال کو پھر وہیں لے جانا چاہا ہے جس میں عوام اور فوج میں تصادم ہوگا۔ تو محب وطن قوتیں، عوام کی حمایت میں ضرور باہر نکلیں گی۔ اب ضروری ہے کہ مجیب صاحب کے پیچھے کارفرما سامراجی قوتوں کا پردہ چاک کیا جائے۔ ان کا یہ زعم توڑا جائے کہ عوام ان کے ساتھ ہیں مشرقی پاکستان کے عوام یقیناً امریکی سازش کو ناکام بنانے میں آگے بڑھیں گے۔ اور مجیب صاحب اس عوامی دباؤ کے پیش نظر آئین سازی کے سلسلے میں سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوں گے پھر انہیں امریکی سازش کو کامیاب بنانے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

ہم بالکل غیر جذباتی اور غیر جانبدارانہ طور پر بھٹو صاحب کے اس موقف کو پاکستان کی سلامتی اور اتحاد کے لئے ناگزیر سمجھتے ہیں کہ مجیب صاحب سے اسمبلی سے پہلے ایک آئینی سمجھوتہ ضروری ہے۔ مجیب صاحب چاہتے ہیں کہ دستور ان کے تابع ہو نہ کہ وہ دستور کے تابع ہوں۔ بھٹو صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ایک ایسا دستور بن جائے جو پاکستان کی سلامتی اور اتحاد کا ضامن ہو۔ کسی بھی طاقت کو اپنے ملک دشمن عزائم کی تکمیل کا موقع دستور کے سائے میں نہیں ملنا چاہئے۔

بھٹو صاحب کے اس موقف کی تائید کے ساتھ ساتھ ہم بھٹو صاحب سے یہ گذارش بھی کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت مغربی پاکستان کے ہر علاقے کے عوام ان کے منتظر ہیں اور ان سے موجودہ تشویشناک صورت حال میں کچھ سننا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے گرد افواہوں، بدگمانیوں اور خدشوں کا جو غبار چھا رہا ہے وہ چھٹ جائے۔ صدر یحیٰی اور انہی سنٹرل کمیٹی کے ارکان سے بار بار ملاقاتوں کی بجائے وہ عوام سے رابطہ اختیار کریں۔ عوام ہی ان کی اصل قوت ہیں۔ صدر یحیٰی اور سنٹرل کمیٹی سے ملاقاتیں، بھٹو کو کمزور اور مصلحت پسند بھٹو، بنا رہی ہیں۔ جبکہ عوام سے ملاقاتیں بھٹو کو عوامی اور انقلابی بھٹو، بنا سکتی ہیں۔

باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیے

راز کی بات

میں نے اب چوری کا طریقہ بدل لیا ہے

.....ایک مِل لگالی ہے

ابراھیم جلیس

عرصہ ہُوا کوئٹہ کا ایک چور مسمی محمد بخش عرف روشن کراچی میں گرفتار ہُوا تھا۔ غالباً اس لئے کہ وہ پولیس کو مُنہ مانگا حِصّہ نہیں دے سکا تھا یا پولیس کو اس دن کی تعداد پوری کرنے کے لئے کہیں سے کوئی بے گناہ شہری ہاتھ نہ لگا تھا۔

چور تو اتنے اہم نہیں ہوتے کہ اُن پر خامہ فرسائی کی جاتے۔ لیکن محمد بخش روشن وزفے دیگر نیست یا محمد بخش روشن منفرد بود۔ پہلے تو اس کی عرفیت یا تخلص ہی چونکا دینے والا ہے۔

چور اور روشن۔؟؟

چور کا بھلا روشنی سے کیا تعلق۔؟ چور کا تو اندھیرے سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ جب کسی آبادی میں کچھ عرصے کے لئے چوری چکاری نہیں ہوتی تو شرفاء یوں اظہار حیرت کرتے ہیں کہ

چور جاتے رہے کہ اندھیاری!

چور کا روشن دان سے تعلق تو سمجھ میں آسکتا ہے لیکن چور بجائے خود روشن ہو! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی البتہ محمد بخش خاصا روشن دماغ آدمی بھی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی گرفتاری کے بعد اخبار نویسوں کو بتایا کہ میں کوئی ایسا ویسا آجکل کے زمانے کے چوروں جیسا کوئی گھٹیا چور نہیں ہوں بلکہ چوری کو بھی ایک "فن شریف" کی طرح استعمال کرتا ہوں۔ اور بڑے اصولوں کے تحت چوری کرتا ہوں۔ میری زندگی کے چند اصُول حسب ذیل ہیں:۔

١- "میں کسی غریب اور متوسط طبقے کے آدمی کے گھر کبھی چوری نہیں کرتا۔

٢- صرف دولت مندوں کے گھر چوریاں کرتا ہوں۔

٣- صرف موسم سرما میں دو تین دولت مندوں کے گھروں سے اتنا کچھ چرا لیتا ہوں کہ سارا موسم گرما آرام سے اپنی بیوی اور بچّوں کے ساتھ عزت کی زندگی بسر کرتا ہُوں

٤- صرف ضرورتاً چوری کرتا ہُوں اور چوری اپنے آبائی شہر کوئٹہ میں کبھی نہیں کی۔ چوری کے لئے ہمیشہ کوئٹہ سے باہر چلا جاتا ہُوں۔ اسی لئے اہلِ کوئٹہ مجھے ایک عزت دار ٹھیکیدار کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

٥- اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی بیوی بچوں کے لئے کم از کم چھ ماہ کا راشن کپڑا لتا اور دیگر ضروریات کی چیزیں اور معقول رقم کا بندوبست کرتا ہُوں۔ اس کے علاوہ ہر واردات سے قبل اپنے لئے ایک ضمانتی اور ایک اچھے وکیل کا بھی ضرور انتظام کرتا ہوں"۔

اپنے "اصُول" بتانے کے بعد جو اہم انکشاف محمد بخش روشن نے کیا تھا وہ یہ تھا۔

"کوئی انسان ماں کے پیٹ سے چور یا جرائم پیشہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم انسان کو مجبوراً چور بناتی ہے۔ چور یا جرائم پیشہ انسانوں کی اصل ماں سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ جبھی تو کسی سوشلسٹ معاشرے میں چور ایسے ہی نایاب ہوتا ہے جیسے کہ چین سے "مچھر مکھی غائب" پھر اس نے چین کی خاص طور پر مثال دی کہ:

"٧٢ کروڑ انسانوں کی وہ قوم جو صرف ٢٢ برس پہلے دنیا بھر میں بے مثال جرائم پیشہ مشہور تھی۔ اب ان ٧٢ کروڑ انسانوں میں سے نمونے کے لئے بھی ایک جرائم پیشہ نہیں مل سکتا"

٭

محمد بخش روشن کی اس روشن طبع سے ہمیں بڑی مسرت ہوئی۔ ہم اس سے بے تکلف ہوگئے اور پھر محمد بخش روشن نے اور بھی بڑے مزے مزے کی باتیں بتائیں۔ اُس نے کہا:

"سب سے پہلے میں نے ایک غریب آدمی کے گھر میں چوری کی تھی۔ اس کی دوسری رات گاؤں سے باہر اندھیرے میں میں اپنے چند چور ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا گپیں ہانک رہا تھا۔ باتوں باتوں میں میں نے یوں ہی گپ ہانک دی کہ:

"یارو میں نے آج تک کسی غریب آدمی کے گھر میں چوری نہیں کی"۔

میرا اتنا کہنا ہی تھا کہ اندھیرے میں ایک اجنبی کی آواز گونجی۔

"کیوں جھوٹ بولتا ہے۔؟"

یہ آواز سن کر ہم سب چور چونک پڑے کہ یہ کون ہے، جو ہماری باتیں سن رہا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے للکارا

"کون ہے جو چوروں کی طرح چھپا ہم چوروں کی باتیں سن رہا ہے؟ ہم چوروں سے کیا چوری، بس اب آجاؤ سامنے"۔

وہ چھپا ہوا شخص بڑی شان سے اکڑتا ہوا نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر میں ہاتھی پرا بیٹھ گیا۔ کیونکہ وہ ایک غریب ریلوے قلی تھا۔ جس کے گھر اس کی اکلوتی بیٹی کے لئے برسوں سے جہیز جوڑا ہوا جہیز میں نے چوری کیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے اور وعدہ کیا کہ آئندہ سے کسی "غریب کے گھر چوری نہیں کروں گا"۔

٭

وزِدِ روشن خیال محمد بخش روشن نے پھر ایک ایسا واقعہ سنایا کہ ہم اب تک دنگ ہو کر رہ گئے ہیں۔

محمد بخش روشن نے بتایا کہ ایک رات میں کراچی کی امیروں کی بستی پی ای سی ایچ ایس کی ایک کوٹھی میں گھسا۔ مال ومتاع لوٹ کر لوٹ رہا تھا کہ اچانک ایک پستہ قد سے آدمی نے جس کا اندھیرے کے باعث چہرہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔ میرے سینے پر پستول تان کر بولا۔

"کیوں بے ــــ ہمارے ہی گھر چوری!"

گویا وہ کہہ رہا ہو کہ

"چوروں کے گھر ہی چوری۔!"

میں نے گھبرا کر پوچھا

"بھائی ــــ اندھیرے کے باعث تمہاری شکل مجھے نظر نہیں آرہی ہے۔ ذرا اپنا تعارف تو کرادو کہ تم کون ہو۔؟"

وہ شخص بولا

"میں اس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں جو خلق خدا کو لوٹنے کھسوٹنے میں از آدم تا ایندم اس کا کوئی ثانی نہیں پیدا ہوا۔ چور ڈاکو تو راتوں کو چھپ چھپا کر لوٹتے کھسوٹتے ہیں۔ ہم تو دن دہاڑے علی الاعلان ساری قوم کو سارے انسانوں کو لوٹتے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ لٹنے والوں کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ لٹ رہے ہیں"۔

بس اتنا تعارف کافی تھا میں فوراً سمجھ گیا اور خوشی سے چیخ پڑا۔

بس بس ــــ مزید تعارف کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا۔ میں پہچان گیا۔ تم ہو آمر الف کے خاص الخاص کارندے۔ المعروف چمچے یعنی "سیٹھ ڈمنڈی مار"

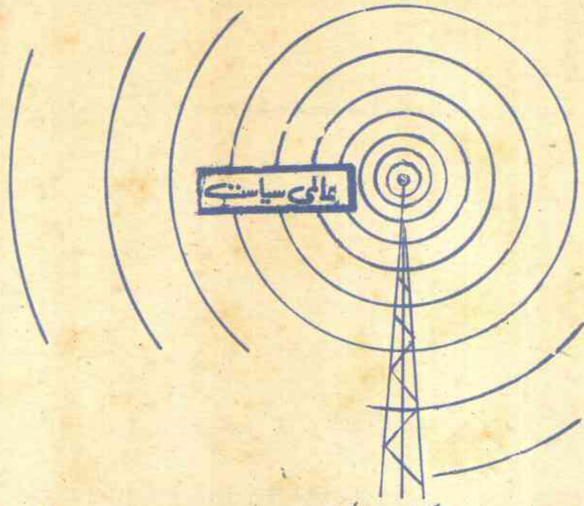
٭

اس واقعے کو سنانے کے بعد محمد بخش روشن نے اپنی موجودہ زندگی پر یوں روشنی ڈالی۔

"اب بھی میرا پیشہ وہی چوری، چکاری اور لوٹ کھسوٹ ہے لیکن اب میں نے اپنا طریقہ بدل دیا ہے"۔

یہ انکشاف ہماری سمجھ میں نہ آیا تو اس نے بے حیائی سے ہنس کر وضاحت کی

"اب میں نے ایک مِل لگالی ہے"۔





"چینی عوام اُس دَور سے نکل چکے ہیں جب انھیں غیر ترقی یافتہ کہا جاتا تھا۔ اب ہم ایک انتہائی مہذب قوم کی صورت میں اُبھر رہے ہیں"

چین

سُرخ اور روشن ستارے کی مانند چمک رہا ہے

چین کا دوسرا خلائی سیارہ

عوامی جمہوریہ چین نے اپنا دوسرا مصنوعی سیارہ زمین کے مدار تک پہنچا دیا۔ یہ سیارہ وسطی چین میں شواہنگ چنگ کے علاقے سے چھوڑا گیا تھا۔ سیارہ کامیابی کے ساتھ مدار کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ چین کی یہ کامیابی عوام کی کامیابی ہے۔ دنیا بھر کے محکوم عوام کی کامیابی ہے۔

اس سے قبل جب چین نے اپنے پہلے خلائی سیارے کا کامیاب تجربہ کیا تھا تو سامراجی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ چینی عوام کی اس عظیم الشان کامیابی پر خاک ڈالنے کے لئے سامراجی حلقوں نے اسے چین کا محض پراپیگنڈا قرار دیا تھا۔ مگر چین کے دوسرے سیارے کی کامیاب پرواز سے اس پروپیگنڈے کا ملمع اتر گیا۔ اور یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ چین خلائی تجربے میں سنجیدہ اور باوقار ہے۔ اور اسی نیت کے ساتھ خلائی مقابلے میں شریک ہوا ہے کہ اس کے خلائی تجربوں سے دنیا بھر کے مظلوم عوام کو فائدہ پہنچے گا۔ جبکہ امریکی سامراج اور سوشل سامراج کا مقصد خلا پر اجارہ داری قائم کرنا ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ دونوں ملکوں کے اس اشتراک عمل اور باہمی تعاون کے پیچھے دنیا بھر کے مظلوم اور پسے ہوئے عوام پر سامراجی گرفت کو مضبوط کرنا اور انہیں بدترین استحصال کا شکار بنانا ہے۔

چین اپنے ملک کے ستر کروڑ عوام کا معاشی استحصال کر کے، خلائی دوڑ میں شامل نہیں ہوا ہے۔ پہلے عوام کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا گیا۔ اس کے بعد محدود پیمانے پر خلائی تجربے کر کے امریکی سامراج اور سوشل سامراج کی اجارہ داری کا خاتمہ کیا گیا۔ سامراج چین کی مستحکم معیشت اور بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہے چین کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوششوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جاپان کی عسکری طاقت میں بے پناہ اضافہ کیا جا رہا ہے جاپانی فوجیوں کو ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح کیا جا رہا ہے "اوکی ناوا" کے امریکی اڈے میں ایٹمی ہتھیاروں کی ریل پیل ہے۔ ان تمام تر کارروائیوں کا مقصد چین کی ناکہ بندی کرنے کے بعد ایشیا میں ایک بھیانک جنگ کے شعلے بھڑکانا ہے۔ جاپان کا فسطائی ٹولہ امریکی امداد کے سہارے پورے ایشیا کے لئے خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ چین کے ستر کروڑ عوام سامراج کے خطرناک عزائم سے واقف ہیں۔ اس سے قبل کہ امریکی سامراج اور سوشل سامراج ایشیائی عوام کو جنگ کا ایندھن بنا دیں، چین اور چین کے ستر کروڑ عوام منہ توڑ جواب دینے کے لئے اپنے آپ کو ہر طرح سے مسلح کر رہے ہیں۔

ہند چینی

گذشتہ دنوں فروری میں حریت پسندوں نے پان ڈانگ کے اہم فوجی اڈے پر حملہ کر کے جنوبی ویت نام کے سترہ ٹینک تباہ کر دیئے۔ اس کے بعد فوجی اڈے پر قبضہ کر لیا۔ جنوبی ویت نام کے بھگوڑے فوجی سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اسی روز حریت پسندوں نے چھوکو ٹوک کے علاقے پر بھی حملہ کیا۔ اور شدید گولہ باری کر کے دشمن کی دو کمپنیوں کا صفایا کر دیا۔ اسی کے علاوہ ایک دن میں ۱۳۱ امریکی طیارے اور جنوبی ویت نام کی ایک پوری بٹالین کا صفایا کر کے ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ اس کے برعکس امریکی اور جنوبی ویت نام کے فوجی ترجمان اپنی پشائی کی جھینپ مٹانے کے لئے الٹے سیدھے اور متضاد دعوے کر رہے ہیں۔ جس میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔

لاؤس پر حالیہ امریکی حملہ کوئی نئی بات نہیں، یہ حملہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا۔ گیا۔ اس حملے کا منصوبہ تقریباً ۱۹۶۵ء سے پہلے ہی پنٹاگان میں ترتیب دیا جا چکا تھا۔ جنوبی ویت نام میں امریکی افواج کے کمانڈر جنرل ویلیم مورکرتے ویت نام کے ساتھ لاؤس اور کمبوڈیا میں بھی نئے محاذ کھول کر جنگ کو ایک وسیع علاقے میں پھیلانے کی تجویز پیش کی تھی۔ جس کو ۱۹۶۸ء میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ نیویارک ٹائمز لکھتا ہے کہ امریکہ اب تک تقریباً ۳ لاکھ فوجیوں کو جنوبی ویت نام میں اتار چکا ہے۔ اس کے علاوہ پیرس میں شمالی ویت نام کے نمائندے زوان تھوی کے بیان کے مطابق امریکہ نے

امریکی اور جنوبی ویت نام کے فوجی ترجمان اپنی پٹائی کی جھینپ مٹانے کے لئے متضاد دعوے کر رہے ہیں

ساتویں بحری بیڑے کی طاقت میں اضافہ کر دیا ہے۔ جس کے مراکز سیام میں ہیں۔ اس اضافہ سے جنوبی ویت نام کے ساحل پر لنگر انداز امریکی بحری ہوائی جہازوں کو بھی بڑی تقویت پہنچتی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے امریکہ کی نیت میں فتور واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ جارحانہ پیش قدمی اب سے ۳ ماہ قبل ہی جنوبی ویت نام اور امریکی افسران کے درمیان آپس کے صلاح مشورے سے شروع کی گئی۔ جس میں پہلے کمبوڈیا اور پھر لاؤس میں جنگ کی آگ کو پھیلانے کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔ اس جارحانہ منصوبہ کی تکمیل سیگاؤں میں امریکی سفیر ایلس ورتھ بنکر وجنرل کرائمٹس ابرام۔ جنرل ویسٹ مورلینڈ کی نگرانی میں ہوئی۔ امریکی افواج کے ڈیفنس سیکرٹری میلون لیرڈ نے جنوری میں سیگاؤں کا دورہ کیا۔ اس دورہ سے ثابت ہو گیا کہ امریکہ اپنی جارحانہ ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔ اور جلد ہی لاؤس میں بھی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

۲۹ جنوری کو امریکی سفیر بنکر اور جنرل ابرام نے صدر تھیو سے ملاقات کی۔ اور فوراً واشنگٹن روانہ ہو گئے۔ جہاں انہوں نے صدر نکسن سے ملاقات کے دوران اس مکروہ منصوبے کی تفصیلات بتائیں "نیویارک ڈیلی نیوز" کی اطلاع کے مطابق صدر نکسن نے خود اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے لاؤس پر پیش قدمی کا حکم جاری کیا۔

اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ نکسن کا یہ اقدام کوئی امر اتفاقیہ نہیں بلکہ اس نے اپنی نوآبادیات اسکیم میں اضافہ کرنے کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ اور معاہدہ جنیوا کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنکاک بیگاؤں، نوم پنہہ اور وینتیان میں اپنے فوجی اڈے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ سیام میں بھی فوجی اڈے قائم کئے۔ خیال ہے عنقریب لاؤس کے خلاف سیام سے نیا محاذ کھولا جائے گا۔ لیکن امریکہ ہند چینی کے واقعات سے سخت تشویش میں مبتلا ہے۔ کیونکہ اسے ابھی تک کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اور اب صدر نکسن کا کہنا ہے کہ لاؤس پر حملے کی وجہ صرف امریکی فوج کا تحفظ ہے۔ لیکن نکسن کا یہ بیان گمراہ کن ہے۔ امریکی سامراج دراصل ویت نام کی جنگ کو پھیلا کر اور ایشیا میں جنگ کے شعلے بھڑکا کر بدنام زمانہ امریکی پالیسی کے مطابق ایشیائیوں کو ایشیائیوں سے لڑا رہا ہے۔

لیکن اب امریکی سامراج یہ نام نہاد منصوبہ ناکام ہو گیا۔ ہند چینی اور ایشیائی عوام متحد ہو چکے ہیں۔ جسے کے اثرات وہ لاؤس میں دیکھ چکا ہے۔ اور اب وہ اندازہ کر چکا ہے کہ نتائج اس کے حق میں نہیں ہوں گے۔ اور بدترین شکست کے ساتھ اسے ان علاقوں سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق کمبوڈیا اور لاؤس میں پے در پے شکستوں سے دوچار ہونے کے بعد امریکی سامراج ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں ہے اور اسی سلسلے میں بن ہائی دریا جو جنوبی اور شمالی ویت نام کے درمیان میں سے گزرتا ہے۔ اس کے شمالی کنارے پر فوجیں جمع کرنی شروع کر دی ہیں۔ یہ نیا منصوبہ بھی امریکی صدر نکسن اور لیرڈ کی ملی بھگت سے تیار ہوا ہے۔ اس منصوبے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکی سامراج جنگ کے شعلوں کو مزید وسعت دینے والا ہے۔ اور اس بات کی بھی توقع ہے کہ اب امریکہ کھل کر شمالی ویت نام پر حملہ کرے گا۔

ویت نام، کمبوڈیا اور اس کے بعد لاؤس پر جنوبی ویت نام اور امریکی سامراج کی تازہ ترین جارحیت سے دنیا بھر کے عوام سلگ اٹھے ہیں۔ امریکہ کے بے شمار شہروں میں روزانہ مظاہرے کئے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف دنیا کے گوشے گوشے سے امریکی جارحیت کے خلاف آواز بلند کی جا رہی ہے۔ نیوزی لینڈ کے "پیپلز وائس" نے امریکی پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ "امریکہ ہند چینی میں اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے جنگ کے دائرے کو برابر وسعت دیتا چلا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ لاؤس میں ایٹمی ہتھیاروں کی جنگ چھیڑ کر پورے ایشیا کے امن اور سلامتی کو خطرے میں ڈالدے۔"

عراق کی حکومت نے بھی ہند چینی میں امریکی سامراج اور جنوبی ویت نام کی پٹھو حکومت کی جارحیت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ہند چینی کے عوام اس جارحیت کو کچل دیں گے۔ قومی محاذ آزادی فلسطین نے بھی ہند چینی میں امریکی سامراج کی مسلح جارحیت کی شدید مذمت کی ہے۔

امریکی سامراج اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر ہند چینی میں جنگ کی آگ کو برابر بھڑکا رہا ہے۔ مگر ہند چینی کے عوام بھی اس کھلی ہوئی ننگی جارحیت سے غافل نہیں ہیں۔ انہوں نے سامراج کے قدموں کو اپنی سرزمین سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کر لیا ہے۔



بھارت کے انتخابات

تاحال بھارت کے انتخابات کے چھ روز مکمل ہو چکے ہیں۔ ان چھ دنوں میں لاقانونیت، مارپیٹ، آتشزدگی، قتل وغارتگری، بموں کے دھاکے، عوام اور فوج میں مسلسل تصادم کے واقعات سے بھارتی انتخاب کی قلعی کھل گئی ہے اگر انتخابات سے معاشرے میں موجود ناانصافی ختم ہو جاتی ہے اور عوام کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں تو پھر انتخابات سے بھارت کے مظلوم اور محنت کش عوام اس قدر بے زار کیوں ہیں۔ بموں کے مسلسل دھماکے اور پولنگ بوتھوں کو نذر آتش کرنے کے واقعات رونما ہو رہے ہیں اور پُرامن انتخابات کے انعقاد کے لئے پولیس اور فوج کی ضرورت کیوں محسوس کی جا رہی ہے۔ کیا انتخابات پر سے بھارتی عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور وہ اس بات کی تہہ تک پہنچ چکے ہیں کہ بھارت کے اجارہ دار سرمایہ دار اور بورژوا طبقے نے مظلوم عوام کو محض بہلانے پھسلانے کے لئے ۲۳ سال سے انتخابات کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔

اگر بھارت کے ۲۳ سالہ نام نہاد جمہوری دور پر نظر ڈالی جائے تو سامراج کے اس بھرپور پروپیگنڈے کے باوجود کہ "بھارت صحیح معنوں میں ایک جمہوری ملک ہے"۔ یہ حقیقت پوری تلخی کے ساتھ ظاہر ہے کہ بھارت کے شاندار جمہوری فوج سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، آزادی سے قبل وہ برطانوی سامراج کے غلام تھے، آزادی کے بعد وہ بھارت کے اجارہ دار سرمایہ داروں کی غلامی میں انتہائی مصیبت کے دن کاٹ رہے ہیں۔ پہلے ان کے گلے میں سیاسی غلامی کا طوق پڑا تھا۔ اب ان کے ہاتھ پاؤں اقتصادی غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بھارت میں ۲۳ سالوں سے بڑے تواتر اور تسلسل کے ساتھ انتخابات ہو رہے ہیں۔ ہر انتخاب سے پہلے عوام کی زندگی میں شاندار اور حیرت انگیز انقلاب برپا کرنے کے وعدے کئے جاتے رہے ہیں، مگر بھارت کے حکمران ٹولے نے اپنے وعدوں کو آج تک پورا نہیں کیا اور بھارت کے مظلوم عوام کی زندگی دوزخ کا ایندھن بنی رہی۔ مغربی بنگال میں مسلح عوامی جدوجہد اسی سیاسی اور معاشی استحصال کا ردعمل ہے۔ انتخابات کے دوران گڑبڑ اور لاقانونیت کے واقعات دراصل عوام کی بے چینی اور بے اطمینانی ظاہر کرتے ہیں۔ انتخابات کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے انتخابات کے نتائج چاہے جو کچھ ہوں، اقتدار میں آنے والا ٹولہ عوام کے مصائب حل کرے یا نہ کرے، عوام کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے، اب تو انہوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ مصائب کا حل خود ڈھونڈیں گے۔ اپنی نجات کا راستہ خود تلاش کریں گے، اور وہ راستہ انتخابات کا نہ ہوگا، بلکہ جدوجہد کا ہوگا۔

صدر نکسن کا بیان

صدر نکسن نے امریکی کانگریس کے نام جو پیغام دیا تھا، اس پر پاکستان کے سیاسی اور عوامی حلقوں میں بڑا شدید ردعمل ہوا ہے اور اسے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت

کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ نکسن کے بیان میں پاکستان کے متعلق تین قابل اعتراض باتیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان سماجی اور ثقافتی بُعد موجود ہے۔ دوم امریکہ برصغیر میں روس اور چین کے مفادات کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ سوم، بھارت اور پاکستان کے تعلقات کے درمیان کشیدگی کے وجود کو تسلیم کرنا، مگر بنیادی تنازعہ کے حل کے بارے میں مجرمانہ خاموشی اختیار کرنا۔

نکسن کا یہ حالیہ بیان صرف قابل اعتراض ہی نہیں، قابل گرفت ہے۔ نکسن کے بیان سے اس شبے کو ایک بار پھر بھرپور تقویت ملتی ہے کہ سامراج برصغیر کی تقسیم کو قبول نہیں کیا ہے۔ اور وہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے۔ اس سے قبل یہ بات کئی بار منظر عام پر آچکی ہے کہ مشرقی پاکستان میں سی آئی اے سرگرم عمل ہے۔ علیحدہ پسندی کو مسلسل ہوا دی گئی۔ کشمیر اور فرخا براج جیسے اہم مسائل کو نظر انداز کر کے بھارت سے تعلقات استوار کرنے کے جذبے کو فروغ دیا جاتا رہا۔ اور بار بار مشرقی پاکستان کی کمزور معیشت کا نام لے کر مغربی پاکستان کے عوام کے خلاف نفرت کو ابھارا گیا۔ حالانکہ مشرقی پاکستان کے بھائیوں کا استحصال مغربی پاکستان کے عوام نے نہیں کیا۔ بلکہ اس ملک کے اجارہ دار سرمایہ داروں نے کیا ہے۔ جو دونوں حصوں کے عوام کو یکساں طور پر لوٹتے رہے ہیں۔ سی آئی اے اور بھارت نواز حلقوں کی اس نفرت انگیز مہم کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ دونوں حصوں کے درمیان اخوت اور محبت کے جذبے کو ختم کر کے نفرت اور تعصب کی آگ بھڑکا دی جائے۔ اس طرح مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کر کے بھارت کے ساتھ اس کا ناطہ جوڑ دیا جائے۔

امریکی سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کی اس حکمت عملی میں چین کے گرد ایک مضبوط حصار قائم کرنے کا دیرینہ منصوبہ بھی کام کر رہا ہے۔ صدر نکسن کا حالیہ بیان ان کے ناپاک عزائم کا بولتا ہوا شاہکار ہے۔

جہاں تک پاک و ہند میں روس اور چین کے مفادات کے تحفظ کا تعلق ہے تو ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ امریکی سامراج کو اس بات کا حق کہاں سے پہنچ گیا کہ دنیا بھر کو اس کا ٹھیکہ دیتا پھر رہا ہے۔ پاکستان کو بنے ہوئے ۲۳ سال گزر چکے ہیں۔ یہاں کے ۱۲ کروڑ عوام نے اپنا خون دے کر یہ ملک حاصل کیا ہے۔ جنگ ستمبر نے ان کی لازوال قربانیوں کی تجدید ہے۔ اس ملک پر ۱۲ کروڑ عوام کا حق ہے۔ اس ملک کے مفادات عوام کے مفادات سے وابستہ ہیں۔ اگر روس اور امریکہ اس ملک کو اپنے مشترکہ عزائم کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو پاکستان کے ۱۲ کروڑ عوام واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہم امریکی سامراج اور سوشل سامراج کے جدید نوآبادیاتی نظام کے چنگل میں پھنسنے سے قبل اپنے وطن کی آزادی، خود مختاری اور سالمیت پر اپنی جان دیدیں گے مگر بیرونی تسلط کو کسی شکل میں قبول نہیں کریں گے۔ نکسن صاحب کی خدمت میں ہم صرف ایک بات گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کوئی بُعد نہیں ہے، دونوں حصوں کے درمیان ہزار میل کے فاصلے کے باوجود عوام کے دل ایک دوسرے کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ دونوں حصوں کے عوام اکٹھے جئیں گے اور اکٹھے مریں گے، ہمارے اس مضبوط اور پائدار رشتے کو کاٹنے میں سامراج کبھی کامیاب نہ ہوگا۔

[illegible]

میں مسمی احمد علی حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میمن مسجد صدر
کے موذن نے مجھ سے پان کے فروخت کے سلسلہ میں
رابطہ قائم کیا۔ اس مسجد کے امام مولانا شاہ احمد
نورانی ہیں اور حال ہی میں ڈھاکہ گئے تھے۔ موذن نے مجھ
سے پہلے ۴۰ روپیہ سیر کے دام بتلائے لیکن آخرکار ۴۳ روپیہ
سیر کے حساب سے سودا طے پایا۔ چونکہ کراچی میں پان
کی شدید قلت ہے لہذا میں نے اپنی دکان کے لئے ۴۳ روپیہ
سیر کے حساب سے ۱۵ سیر پان موذن مذکور سے خرید لئے
احمد علی

وہ خانۂ خدا میں بھی

چور بازاری

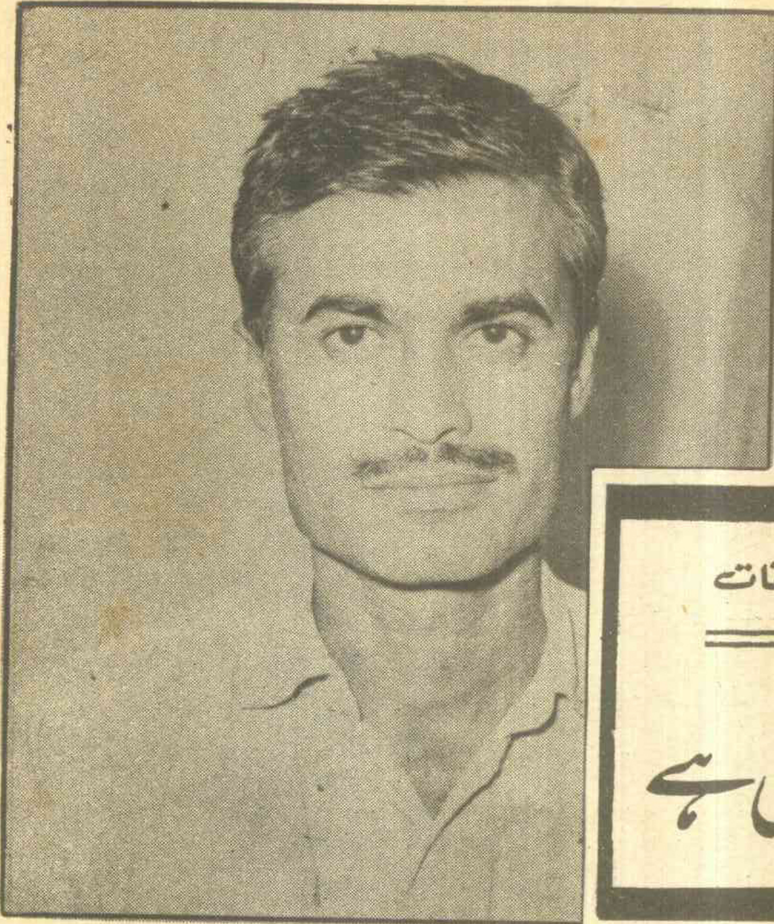
کرتے ہیں

ہمارے ملک میں اسلام پسند حضرات عوام کو نو سچائی، راست بازی، قناعت اور صبر کا درس دیتے ہیں۔ لیکن خود ان علمبرداران اسلام کی ذاتی زندگیوں کا کیا حال ہے، اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ مسجدوں میں اب تک بہت سارے جنسی جرائم کے واقعات تو اخباروں میں آتے رہے ہیں۔ لیکن پاکستان کے عوام کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ خدا کے اس مقدس گھر کو بازار کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا ہے۔

احمد علی صدر میں پان بیڑی کی دکان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ۲۱ فروری کو میمن مسجد صدر کے موذن صاحب ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں بتایا کہ ان کے پاس پان کا کافی اسٹاک ہے۔

بھارت نے جب سے اپنے علاقے پر سے پاکستانی طیاروں کی پرواز بند کر دی ہے مغربی پاکستان میں پان کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ چنانچہ احمد علی صاحب نے پان خریدنے پر آمادگی ظاہر کی۔ میمن مسجد کے موذن نے پہلے پان کے دام چالیس روپے سیر بتائے۔ لیکن آخرکار ۴۳ روپیہ سیر کے حساب سے پان کا سودا طے ہوگیا۔ احمد علی نے موذن صاحب سے ۱۵ سیر پان خرید لئے۔

احمد علی کا کہنا ہے کہ پان مسجد کے حجرے میں رکھے ہوئے تھے۔ موذن صاحب نے پان کی ڈلیوری مسجد ہی سے دی۔ یہ پان مسجد کے ساتھ ایک پھل فروش کی دوکان پر تولے گئے۔ سب سے زیادہ حیران کن اور چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ احمد علی صاحب کا کہنا ہے کہ اس مسجد کے امام صاحب جناب مولانا شاہ احمد نورانی رہنما جمعیت العلماء پاکستان (چابی مارکہ) ہیں۔ قوم نے انہیں اپنی نمائندگی کے لئے منتخب کیا ہے جمعیت العلماء پاکستان کے جتنے ممبر قومی و صوبائی اسمبلیوں کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ محض "نبی کے جھنڈے" اور "روضہ رسول" کے نام پر منتخب ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی مسجدوں میں جن کی امامت شاہ احمد نورانی جیسے بزرگ اور اللہ والے لوگ کرتے ہیں۔ پان جیسی چیز کی بلیک مارکیٹنگ کا کاروبار کیسے ہو رہا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پچھلے ماہ شاہ احمد نورانی سیاسی کاروبار کے سلسلے میں دوبارہ ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ڈھاکہ میں پان روپیہ بارہ آنے سیر ملتے ہیں۔ اور میمن مسجد کے موذن نے پان ۴۳ روپے سیر فروخت کئے ہیں۔ یعنی ۲۳۳۳ فی صد کے قریب منافع ؟ کیا یہ سارا کام اسلام اور سنت رسول کے عین مطابق ہے؟



وقائع نویس خصوصی

روپوش مزدور رہنما عثمان بلوچ سے ایک ملاقات

نور خان کی ولیکا سے دوستی ہوگئی ہے

اِن دِنوں مزدوروں کی جدو جہد کا مرکز "ملوں پر قبضہ" ہے۔ اللہ وسایا ملز پر خان اشفاق احمد خاں اور محمود نواز کی قیادت میں قبضے سے ہونے والی ابتدا پورے عروج پر ہے۔ مختار رانا ٹریڈ یونین میں اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ کراچی میں آج کل عثمان بلوچ کا طوطی بول رہا ہے۔ اجارہ دار سرمایہ داروں کے آل راؤنڈر ولیکا کی ملز پر قبضے کا چرچا ہے۔ مزدور بھپرے ہوئے ہیں اور ایک ہی راستے پر عمل کر رہے ہیں کہ اب ملوں کے مالک مزدور ہوں گے۔

اس سوچ کی روک تھام کے لئے اجارہ دار سرمایہ دار اور نوکر شاہی سر توڑ کوششوں سے کام لے رہی ہے۔ مزدور اپنے محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں تو سرمایہ دار نوکر شاہی اپنے استحاد کو مزید مضبوط بنا رہی ہے۔ ملوں میں تالہ بندی، چھانٹی اور پاکٹ یونینوں کی غنڈہ گردی زوروں پہ ہے۔ اس وقت تک تقریباً پچاس ہزار مزدور روزگار سے محروم ہو چکے ہیں۔ مالکان کے انتقام کی آگ کے شعلے پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔ مزدور رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے — پولیس روٹی، کپڑا اور مکان مانگنے والے ملزموں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کہیں بستی والوں کو بلا کر پوچھا جا رہا ہے کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم عثمان بلوچ کو ہمارے حوالے کر دو۔ کہیں تھانوں میں بٹھا بٹھا کر لیڈری کے نشے اتارنے کے فارمولے اپنا کام دکھا رہے ہیں۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ آج مزدور چھانٹی، تالہ بندی، ظلم و تشدد اور فاقوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے غاصبوں کا جوانمردی سے مقابلہ کر رہا ہے۔ اس نے ہمت نہیں ہاری، اور جدو جہد کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی صفوں کو منظم کر رہا ہے۔ وہ یہ جان گیا ہے کہ اقتدار کا حقدار کون ہے۔ ملیں اور کارخانے کس کی ملکیت ہیں۔ اور وہ اس پر کیوں قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ایک مزدور نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا "مسئلہ روٹی، کپڑے اور مکان کا نہیں، ظالم اور مظلوم کا ہے۔ نظام کی تبدیلی کا ہے۔ یہ عمل ایک ایسی تنظیم کا متقاضی ہے جو مزدوروں اور کسانوں کو ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں الجھانے کی بجائے صحیح سوچ سے مسلح کرے اور جدو جہد کے راستے پر گامزن رہے۔ مصلحت کو ٹھکرائے، اصولوں کا پاس کرے۔

یہ کام صرف اور صرف ایک انقلابی تنظیم ہی کر سکتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ چند اخبارات ایک عرصے سے ہماری حمایت میں لکھ رہے ہیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو مالکان چاہتے ہیں۔ صاف ہے کہ ان اخبارات کی تو کرتا ہی کو پرواہ نہیں، مزدوروں کی صحیح سوچ رکھنے والی تنظیموں کا فقدان ہے۔"

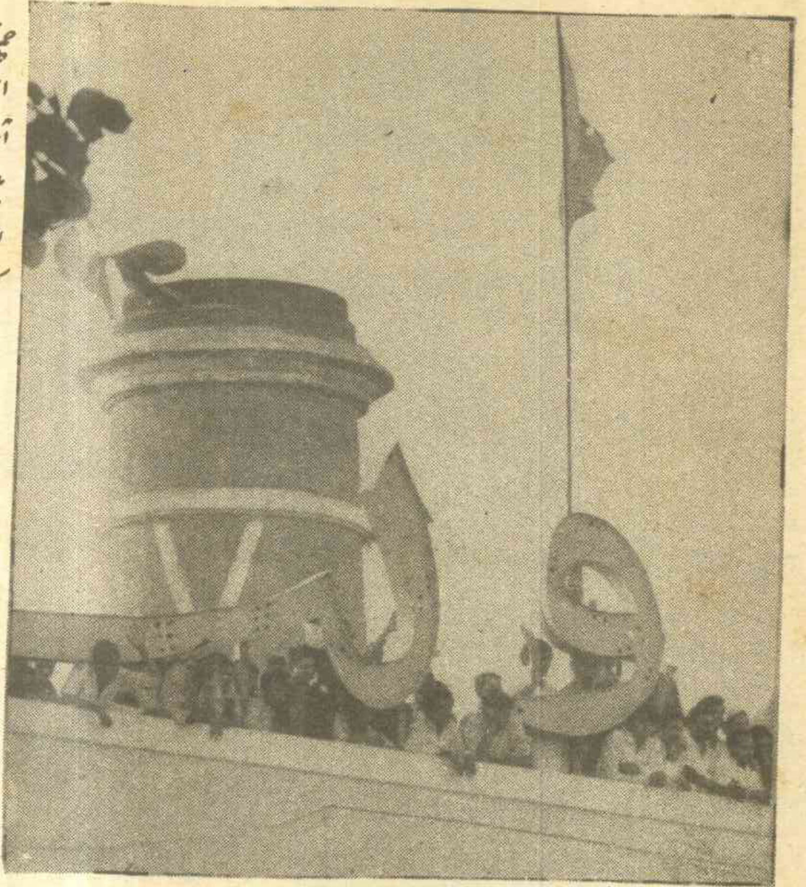
یہ مزدور بہت غصے میں تھا۔ جوش میں بہت کچھ کہہ گیا۔ ماحول سے اکتایا ہوا تھا۔ اس کے نزدیک جان کا ایک ہی مصرف رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ اس سماج کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں اور نوکر شاہی سے چھٹکارا دلانے کے لئے قربان ہو جائے۔ اس نے سینہ تان کر کہا "اب ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔ دھرتی نے ایک ایک کر کے بہت سے رفیقوں کا خون پی لیا ہے۔ ہمیں متحد ہونا ہے، تاکہ دھرتی کی پیاس بجھا سکیں۔"

عثمان بلوچ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ ولیکا پر قبضہ کے بعد سے ولیکا کے زیر عتاب ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ بستی والوں کو ڈرا دھمکا کر عثمان بلوچ کو مانگتی ہے۔ "عثمان بلوچ کو پیش کرو، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔" بستی والے چپ سادھ لیتے ہیں۔

عثمان بلوچ نے مختصر سی ملاقات کے دوران سرمایہ داروں کی ایک گھناؤنی سازش فاش کرتے ہوئے کہا "ولیکا کو بچانے کے لئے تمام سرمایہ داروں کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ بھاری پیمانے پر چھانٹی اور تالہ بندی ہو رہی ہے۔ سلک انڈسٹری تو پہلے ہی تباہ ہو چکی ہے۔ نئے منصوبے کے تحت رہی سہی کسر نکل گئی ہے۔ سنو نیشنل کے گیارہ سو مزدور بیکار کر دیئے گئے ہیں۔ حبیب ہارون میں چھانٹی ہو رہی ہے۔ رشید میں کہا جا رہا ہے کہ آٹھ لوم چلانے والے کاریگر اب بارہ لوم چلائیں۔ باوانی میں پورا کھاتہ ٹھیکیدار کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ دوست محمد میں گیٹ بند ہے۔ دادا بھائی اور شان انڈسٹری میں تالہ بندی ہے۔ اسٹار ملز آدھا بند کر دیا گیا

"ہم آخری فتح تک لڑتے رہیں گے"





کرائے کے لیڈر متوازی یونینیں قائم کر رہے ہیں

ہے۔ العظمت کے ۲۶ کاریگر نکالے جا چکے ہیں۔ برف والا کارخانہ بند کر دیا گیا ہے جہانگیر سے آدھے آدمی نکالے جا چکے ہیں۔ قمر سلک مل آدھا بند ہے۔ نور سلک ملز بالکل بند ہے۔ اقبال سلک ملز کا نام بدل کر مزدوروں کو باہر کر دیا گیا ہے۔ اور اب نیا نام رکھ دیا گیا ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ ویلکا کو کاریگر مل جائیں۔ بیروزگاری مزدوروں کو مجبور کرے کہ وہ اپنے بھائیوں کا گلا کاٹ دیں۔ یہ صورتحال روٹی کی تلاش میں ویلکا کے در پر جھکنے والے مزدوروں کے لئے تشویشناک ہو گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے جو بھی جاتا ہے، ہڑتالی مزدور اسے بری حالت میں واپس کر دیتے ہیں۔ چند افراد کے زخمی ہونے کی اطلاعات بھی ملی ہیں۔"

عثمان بلوچ نے کہا کہ "ہڑتالوں، صنعتی عدالتوں اور قوانین نے مزدور طبقے کو کچھ نہیں دیا۔ ۹۹ فیصد ہڑتالیں ناکام ہوتی ہیں۔ صنعتی عدالتوں میں مزدوروں کی ہڈیاں تپ دق کے موذی مرض کا لقمہ بن رہی ہیں۔ نور خاں کی لیبر پالیسی جسے جگادری مزدور رہنماؤں نے عافیت کا ضامن قرار دیا تھا، عمل میں مزدور دشمن اور مزدور کش ثابت ہوئی ہے۔

ریفرنڈم کے نام پر جو ڈرامے کرائے گئے ہیں۔ ایک ایک کارخانے میں تین تین، چار چار اور بعض اوقات پانچ تک یونینیں قائم ہیں۔ ایک یونین اجتماعی سوداکاری کی ایجنٹ بن ہی جائے تو دوسری یونینیں اسے گندا کرنے کے لئے مخالفت کرتی ہیں۔ ہڑتالیں توڑ دیتی ہیں۔ ایک دوسرے پر



"ویلکا ملز میں مزدوروں کو بھرتی پر مجبور کرنے کے لئے سرمایہ داروں نے ملیں بند کر دیں"

حملے کئے جاتے ہیں۔ ایک مزدور دوسرے مزدور کا خون بہاتا ہے۔ اس عالم میں مالکان عیش کرتے ہیں۔ پھوٹ ڈلوانے کے لئے اپنے سے حربے استعمال کرتے ہیں۔ نور خاں نے مزدوروں کے ساتھ جو ظلم کیا ہے، اسے تاریخ معاف نہیں کرے گی۔ سنا ہے "وہ آجکل مزدوروں، کسانوں کے نام اپنی دکان چمکانے کی فکر میں ہیں۔ وہ ویلکا جن کے خلاف انہوں نے اپنی تقریر میں کوئی بات کہہ دی تھی۔ آج اسے بچانے کے لئے متوازی یونین تو رہے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ نور خاں کا یہ مشن کون مکمل کر رہے ہیں۔ مزدور اتحاد تحریک انہیں اور نور خاں کو معاف نہیں کرے گی۔ ہم ان کی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لے رہے ہیں۔ ابھی انہیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ راہ راست پر آجائیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ خود بخود بے نقاب ہو جائیں۔"

عثمان بلوچ نے کہا "ویلکا ملز پر قبضہ کرنے کی ٹھوس وجوہ موجود ہیں۔ معاہدے کے تحت ویلکا کو مارشل لا کے تحت گرفتار ہونے والے مزدوروں کو کام پر واپس لینا تھا۔ ایسے افراد کی تعداد تیرہ تھی۔ ان میں سے کچھ نے اپنے واجبات ملز سے وصول کر لئے تھے۔ یونین نے ان کی بحالی کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ جنھوں نے واجبات تک نہیں لئے تھے ان کو کام پر واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ ویلکا نے دوسرے قانونی تقاضے بھی پورے نہیں کئے تھے۔ مزدوروں نے اپنے حقوق کے حصول کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس پراپیگنڈے کو رد کریں کہ مزدور پوری پیداوار نہیں کرتے۔ ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ مزدور ہی پیداوار کر سکتے ہیں۔ اس میں مزدوروں کو تجربہ بھی ہوا کہ پیداوار پر کیا لاگت آتی ہے اور اسے صارفین کے ہاتھ کن داموں پر فروخت کیا جاتا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی سیٹھ یا عملے کے رکن کو محبوس نہیں کیا گیا تا کہ یہ نہ کہا جا سکے کہ "معاہدہ دباؤ کے تحت ہوا تھا۔"

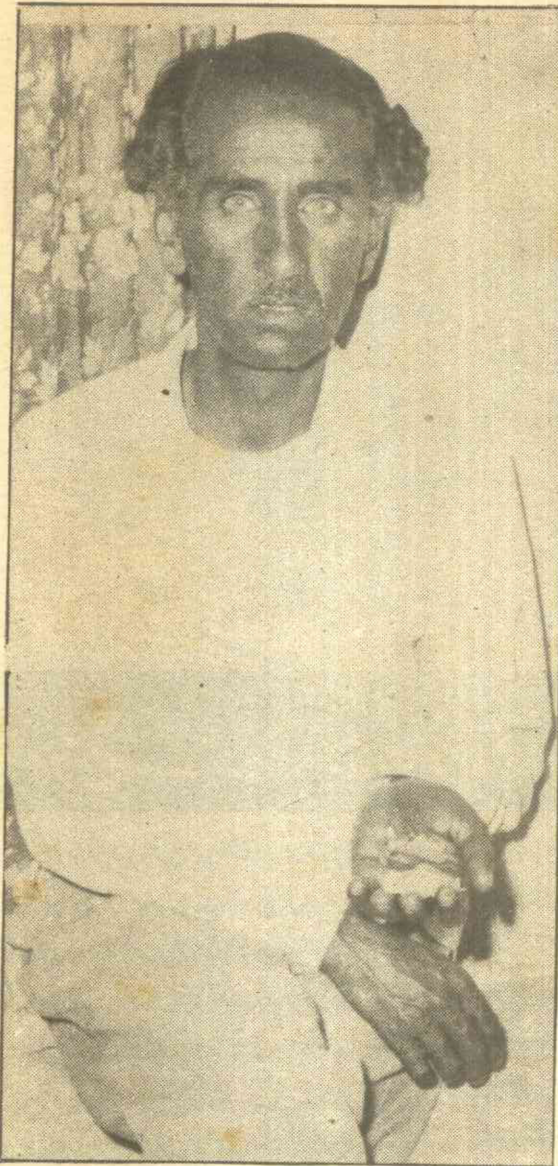
ویلکا جیسے سرمایہ دار سے مطالبات منوانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ واحد کارخانے دار ہے جس نے ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک کسی یونین کو کام نہیں کرنے دیا۔ اس نے یونین کے لیڈروں کو خرید لیا یا انہیں کام چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پہلی یونین کے ریحان دوودا اور اکرم کے بارے میں کون نہیں جانتا۔ موجودہ پرسانل منیجر حشمت علی وارثی ویلکا کاٹن اور وولن کے صدر تھے۔ آج یونین کے بل بوتے پر اتنے بڑے عہدے پر پہنچ گئے ہیں۔ ویلکا نے ان دنوں پھر کرائے کے لیڈروں کو مامور کر دیا ہے۔ لیکن وہ ہماری یونین کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ ویلکا کو ہمارے مطالبات ماننے پڑیں گے۔ ہماری جدوجہد پاکستان بھر کے تمام ویلکاؤں کے خلاف اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مل مزدوروں اور کھیت کسانوں کی ملکیت قرار نہیں دے دیئے جاتے۔"

قومی محاذِ آزادی جموں و کشمیر سے لاتعلقی کا اظہار

ہفت روزہ الفتح، کراچی ۱۱ تا ۱۸ فروری سنہ ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں میر عبدالمنان کا انٹرویو پڑھ کر مجھے سخت ذہنی کوفت ہوئی، کیونکہ میرے نام کو قومی محاذِ آزادی جموں و کشمیر کی سرگرمیوں میں خواہ مخواہ ملوث کر دیا گیا ہے، میں بے حد شکر گذار ہوں گا، اگر آپ آئندہ شمارے میں میرا وضاحتی بیان شائع کر دیں۔

"۱۹۶۶ء میں اپنے بھائی کے انتقال کے سلسلے میں اکثر و بیشتر آزاد کشمیر جایا کرتا تھا۔ وہ علاقہ مقبوضہ کشمیر سے زیادہ دور نہ تھا۔ جہاں میرے رشتہ دار رہتے تھے۔ اپنے بھائی کی رسم قل سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے جنگ بندی لائن کے اس پار گیا۔ میرا یہ فیصلہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس سلسلے میں میں نے کسی سے مشورہ تک نہیں کیا تھا۔ مقبوضہ کشمیر میں میری ملاقات مقبول احمد بٹ سے ہوئی معلوم ہوا کہ وہ وہاں کسی خفیہ مشن پر آئے تھے۔ ہماری یہ ملاقات محض اتفاقیہ تھی۔ پاکستان میں واپسی کے بعد میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ میں اس بات کی وضاحت مناسب سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق کسی پولیٹیکل یا پرسنل تحریک سے نہیں ہے۔ میں تمام متعلقہ افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرا نام کسی مہم جوئی کی تحریک میں ملوث نہ کریں۔ ممکن ہے، میرا نام کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں استعمال کیا جا رہا ہو۔

ریٹائرڈ میجر امان اللہ خاں۔ کشمیر انڈسٹریز پشاور کینٹ



داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے فنانس سیکرٹری کی

المناک داستان

پولیس نے مار مار کر شیخ محمود کا جبڑا باہر نکال دیا

وہاب صدیقی

یہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۰ کی سہ پہر تھی۔ داؤد کاٹن ملز کے افسر بکار خاص، ایس ایس جعفری کے کمرے سے انسانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان میں درد و کرب تھا۔ آہ و فغاں تھی۔ یہ اتنی دردناک تھیں کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کمرے میں کسی کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ ان چیخوں کے ساتھ ساتھ ہنسی، ٹھٹھے اور فحش مذاق کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ لیکن درد و کرب کی آوازیں غالب تھیں۔ ان آوازوں کے درمیان کبھی کبھی چند الفاظ بھی فضا میں بکھر رہے تھے۔ "یہ منسٹر آف فنانس ہے۔" "لیڈر ہے۔" "لیڈر تقریر کرو۔ سنا ہے، تم بہت اچھی تقریر کرتے ہو۔" کمرے کے دروازے پر سیٹھ ابو، ملز کا افسر بکار خاص ایس ایس جعفری، سروس منیجر محمد علی، لیبر آفیسر غلام احمد، عبدالغفور، ویونگ ماسٹر اور انتظامیہ کے دیگر ارکان کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی اور کامرانی جھلک رہی تھی۔

"یہ کون چیخ رہا تھا؟" یہ داؤد کاٹن ملز کے ایئر کنڈیشنڈ پلانٹ کا ڈرائیور شیخ محمود تھا جو گذشتہ ۱۶ سال سے سیٹھ داؤد، سیٹھ ابو اور ایس۔ ایس جعفری کو گرمی اور سردی سے بچا رہا تھا۔ جو ویونگ ڈیپارٹمنٹ کے درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتا تھا۔ جس نے داؤد کاٹن ملز میں اس وقت ملازمت کی تھی، جب داؤد کی صرف ایک مل تھی۔ اور اس کی بھی چار دیواری خاردار تاروں سے بنی ہوئی تھی۔ یہ وہی شیخ محمود تھا جس کی شب و روز محنت نے کل کے "ٹٹ پونجیا" داؤد کو آج ملک کا سب سے بڑا سرمایہ دار بنا دیا ہے۔ اتنا بڑا کہ وہ حکام اور پولیس کو اپنے اشاروں پر نچاتا ہے۔

شیخ محمود کا جرم کیا تھا؟ اسے انسانیت سوز ظلم کا کیوں نشانہ بنایا جا رہا تھا؟ صرف اس لئے کہ اس نے سیٹھ داؤد کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اپنا اور دیگر مزدوروں کا حق طلب کیا تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ محنت کشوں کی نمائندہ جماعت۔ داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کا خازن تھا۔ سرمایہ دار نظام میں اپنا حق طلب کرنا۔ استحصال کے خلاف آواز بلند کرنا اور یونین سازی ناقابل معافی جرم ہے۔

شیخ محمود کو اسی جرم کی سزا دی جا رہی تھی۔ اور سزا دینے والے پولیس کے حکام تھے جو عوام کے محافظ کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک "عوام کی حفاظت" کا مطلب "استحصالی طبقوں کی حفاظت" ہوتا ہے۔

داؤد کاٹن ملز میں کھیلے جانے والے اس ہولناک، خون آشام اور انسانیت سوز ڈرامہ کی روداد شیخ محمود کی زبانی سنیئے:۔

"داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں نے اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے اور سیٹھ کے ظلم وتشدد کے خلاف ۲۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو ہڑتال کی۔ ہڑتال قطعی طور پر پرامن تھی۔ لیکن کراچی کی انتظامیہ اور پولیس نے ہڑتال ختم کروانے کے لئے لانڈھی کو پولیس اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا۔ ۲۶ مارچ کو میں قومی مزدور محاذ لانڈھی کے دفتر واقع نور منزل میں بیٹھا ہوا تھا کہ سوا دو بجے ایس ایچ او عبدالعزیز کی سرکردگی میں پولیس دفتر میں داخل ہوئی۔ وارنٹ گرفتاری کے بغیر جلیل اعظمی، مسیح الرحمٰن، مجھے اور دیگر مزدوروں کو گرفتار کر لیا۔ اور تھانے لے جانے کی بجائے سیدھا داؤد ملز لے گئے اور ملز کے افسر بکار خاص ایس ایس جعفری کے کمرے میں بند کر دیا۔ اس کمرے میں ہمارے علاوہ غلام قادر، محمد اکرم اور دیگر مزدور بھی موجود تھے۔ اس حبس بیجا کو آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ اے ایس آئی عبدالشکور، سب انسپکٹر عبدالرحیم چار سپاہیوں سمیت کمرے میں داخل ہوئے اندر آتے ہی عبدالشکور اے ایس آئی نے جو شراب کے نشے میں چور تھا۔ مجھے لاتوں اور مکوں پر دھر لیا۔ سیٹھ ابو، ایس ایس جعفری، غلام احمد، محمد علی، عبدالغفور اور انتظامیہ کے دیگر ارکان کمرے کے دروازے پر کھڑے پولیس کی ہمت بڑھا رہے تھے۔ عبدالشکور مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ "یہ منسٹر آف فنانس ہے"۔ "لیڈر تقریر کرو، سیٹھ تمہاری تقریر سننے آیا ہے" وغیرہ۔ اس کے بعد مجھے زبردستی سب کے سامنے برہنہ کر دیا گیا۔ فرش پر منہ کے بل لٹا کر چار سپاہی میرے ہاتھ پیروں پر کھڑے کر دیئے گئے۔ اس کے بعد عبدالشکور نے "بیچ پتر" سنبھالا۔ یہ بیل میں تر تھا۔ اس کی ایک جانب لکھا تھا "آجا مورے بالما تیرا انتظار ہے"۔ اور دوسری جانب لکھا تھا۔ "دس وے چن کتھے گذاری اے رات وے"۔ شکور نے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے اور جب ہوش آیا تو عبدالشکور اور پولیس کے دیگر ارکان یہ کہہ کر چلے گئے کہ "بہت سخت جان ہو، رات کو پھر تمہیں دیکھیں گے"۔

"آدھی رات بیت چکی تھی۔ کمر زخمی ہونے کی وجہ سے سیدھا لیٹ نہیں سکتا تھا۔ سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ کہ عبدالشکور اے ایس آئی دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ داؤد کاٹن لیبر یونین کے صدر خواجہ نجیب الدین اور یونین کا ایک سرگرم کارکن اقبال تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں



داؤد سیٹھ کے سامنے مزدور رہنما کو ننگا کرکے تقریر کرائی گئی

ہتھکڑی لگی ہوئی تھی - عبدالشکور نے میری ہڈیوں پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے - اور کہا "تمہارا صدر آیا ہے اس کا استقبال کرو" جب وہ مار مار کر تھک گیا تو تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد خواجہ نجیب الدین کو برہنہ کرکے مارا - پھر اقبال کی باری آئی - اسے بھی مادر زاد برہنہ کر دیا گیا تھا - اقبال کو مارتے مارتے عبدالشکور ایک دم مجھ پر پل پڑا لاتوں اور مکوں کی بارش کر دی - بالوں کو پکڑ کر دیوار سے سر ٹکرایا - اور میرے منہ پر مکے مارے - جس سے میرے دو اوپر کے اور ایک نیچے کا دانت ٹوٹ گیا - اور باقی تمام دانت ہل گئے"

"اگلے دن شام کو چار بجے ہمیں کالا بورڈ کے تھانے لے جایا گیا - رات وہاں کے حوالات میں گزاری - ۲۸ مارچ کی شام کو جیل بھیج دیا گیا - جیل کے حکام نے متعدد درخواستوں کے باوجود طبی سہولتیں مہیا نہیں کیں - صرف اے پی سی کی گولیاں ملتی تھیں میں کوئی ڈیڑھ ماہ تک سیدھا نہیں لیٹ سکا"

یہ تھی پولیس کے ظلم و تشدد کی داستان' شیخ محمود پر جبر و استبداد کی داستان یہاں ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ بہت طویل ہے - قانون کی رو سے شیخ محمود کو گرفتاری کے بعد ۲۴ گھنٹوں میں عدالت کے سامنے پیش کرنا چاہیئے تھا - لیکن اسے عدالت کے سامنے ماہ مئی میں پیش کیا گیا - یعنی گرفتاری کے تقریباً ۲½ ماہ بعد - پہلی پیشی ایس ڈی ایم صلاح الدین کی عدالت میں ہوئی - شیخ محمود پر مارشل لا کے ضابطہ ۱۶ اور ۱۲ کے تحت مقدمات قائم ہوئے - لیکن بری کر دیئے گئے - ۱۲ نومبر کو ضمانت پر رہا کر دیئے گئے کیونکہ سول کورٹ میں مقدمات چل رہے ہیں - ۱۴ نومبر ۱۹۷۰ء کو وہ ڈیوٹی کے لئے مل گئے - لیکن انہیں گیٹ اسٹاپ کر دیا گیا - بہانہ یہ بنایا کہ "سروس منیجر مصروف ہیں - شام کو آجانا" — شیخ محمود شام کو گئے - لیکن پھر ٹال دیا گیا - داؤد ملز کی انتظامیہ نے ابھی تک ڈیوٹی پر نہیں لیا ہے -

کیا کراچی کی انتظامیہ شیخ محمود پر کئے جانے والے ظلم و تشدد کی تحقیقات کرے گی؟ کیا پولیس اور حکام اس بات کا جواب دیں گے کہ شیخ محمود کو گرفتاری کے بعد ۲۴ گھنٹوں کے اندر عدالت میں کیوں نہیں پیش کیا گیا؟ کیا کراچی کی انتظامیہ اور محکمہ محنت شیخ محمود کو ملازمت پر بحال کرائے گا؟ یقین ہے کہ ان سوالات کا جواب نفی میں ملے گا - کیونکہ موجودہ حکام اور قانون صرف سرمایہ داروں کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں - قانون اگر مزدوروں کو حقوق دیتا ہے تو دوسرے ہاتھ سے لے لیتا ہے - محنت کشوں کو محنت کا صلہ اور ان کے حقوق اسی وقت مل سکتے ہیں جب وہ اس استحصالی نظام کو فنا کر دیں -

الفتح

کٹہرے میں

سیّد عبدالحمید عدم

(ایک تازہ اور نہایت ضروری قطعہ منبر پر کھڑا کر رہا ہوں - اس قطعے کا خطبیہ "الفتح" کے ایک دلیر اور ایمان افروز بیان سے ماخوذ ہے)

عدم

مذہبی بہروپئے — تاریک رُو — شیطاں نژاد
کل کٹہرے میں - یہ پُوچھا جائیگا تجھ سے - یزید

مسجدوں کو - مورچہ خانے بنا کر ظُلم کے
کس نے مٹّی دین کی — کی تھی کراچی میں پلید

ہر سال امریکہ اور اس کے زرخرید غلام ویت نام کے حریت پسندوں اور نہتے عوام کے خلاف نئے قمری سال کی خوشی میں ظلم و ستم کا سلسلہ چند ایام کے لئے روک دیتے ہیں اور پھر دوبارہ وہی کھیل بہیمیت کا شروع کر دیا جاتا ہے۔ اس سال بھی نئے قمری سال کی خوشی میں ان ڈکیتوں نے جنگ بندی کا اعلان کیا ہے اور ظاہر ہے کہ چند دن گذر جانے کے بعد اس دفعہ بھی حسب معمول ظلم و ستم کا یہ سلسلہ پھر اسی طرح شروع ہو جائے گا۔ جنگ بندی کے اس مختصر سے وقفے کے تاثرات اس نظم کی جان ہیں

نیا برس ہو تمھیں مُبارک

شارب انصاری

نیا برس ہو تمھیں مبارک
نیا برس ہو تمھیں مبارک
تمھیں ہنوئی کے باسیوں کو
تمھیں اے ہوچی کے ساتھیوں کو
تمھیں مبارک ہو اہلِ ویتنام
تمھیں مُبارک شکارِ نیپام
نیا برس ہو تمھیں مُبارک

●

نئے برس کی خوشی میں کچھ دِن
دیارِ مغرب میں رہنے والے
یہ خونِ انسانیت کے تاجر
سُنا ہے ناغہ کریں گے کچھ دِن
سُنا ہے مقتل نہیں کھُلیں گے
سماں نہ بارود بار ہوگا
ستم کے اب ہوں گے نِرخ اُونچے
لہو کا بازار تیز ہوگا

●

نہ پھٹنے گولوں سے اب مسلسل
زمیں کے تن میں شگاف ہوں گے
چھٹے رہیں گے غبار کچھ دن
نہ بُوتے گندھک سے دم گھُٹے گا
دُھلے رہیں گے سجل سویرے
جبینِ لالہ و نسترن پہ
جڑے ستاروں کی روشنی میں
دُھوئیں کی آمیزشیں نہ ہونگی
نگینے رکھ کر کنول ہتھیلی پہ صبح کی دھوپ میں ہنسیں گے
حسین جھیلوں میں جب نزاکت سے سب ہلیں گے
بڑے سجیں گے

●

چلیں گی اب ریشمیں ہوائیں
مزے مزے سے اور ہولے ہولے
ڈری دھماکوں کی ظلمتوں کی
تھکن اتاریں گی مُدتوں کی

●

وطن کے دریاؤں کے کشادہ
حریر سینوں پہ پھر سے کچھ دن
حسین بجرے چلیں پھریں گے
عدُو کے گرتے ہُوئے بموں سے
نہ گھر کے چوڑے گڑھے پڑیں گے

●

وَہ اُن ڈکیتوں کے دیو ٹینکوں کی
اب نہ چیخیں سُنائی دیں گی
جوان بیٹوں کی گرم لاشیں
نہ اب تڑپتی دکھائی دیں گی
نہ اب وہ دشمنوں کے کرگسوں کو
جھپٹتا دیکھیں گے اور کچھ دن
نہ اب فضاؤں میں کوئی راکٹ کڑکتا دیکھیں گے اور کچھ دن
نہ در بدر گولیاں چلیں گی
نہ غم سے اب ہڈیاں گلیں گی

●

نہ اب کئی دن وطن کی جھیلیں بموں سے سیماب بار رہیں گی
رُکے رہیں گے اگر دھماکے
تو اُن کے بلور جیسے بدنوں کے اب پرخچے نہیں اُڑیں گے

اُبلتے بے کیف پانیوں کو سکون پھر سے نصیب ہوگا

●

نہ نیم مردہ سی زندگی جو کہ
گیلی مٹی کی خندقوں میں دنوں سے برسوں سے دب رہی تھی
کہ جن کے لقموں کے ذائقوں میں
شدید گرمی سے گلتے سڑتے سے لحمِ انساں کی بُو رچی تھی
پنہ گہوں سے نکلتے آئیں گے
جوق در جوق
بوڑھے، بچے، شدید زخمی
نحیف و مفلوج عضو لے کر
یوں فوج در فوج اپنے اندھے بلوں سے باہر قدم رکھیں گے
کہ حشر میں جیسے اپنی اپنی لحد سے
صدیوں کے سوئے ہوئے مُردے نکل رہے ہوں
کہ جس طرح ریتلی زمینوں پہ
سخت بارش کے بعد گرمی سے
تا حدِ نظر ہزاروں سفید کھمبیں سی اُگ رہی ہوں

●

یہ مرد و خواتین، بوڑھے بچے
یہ لولے لنگڑے، یہ گرتے پڑتے
یہ دُبکے دُبکے، یہ سہمے سہمے
یہ اِکّا دُکّا
وطن کے باسی وطن میں دُکھیا
جلے درختوں میں چھپتے چھپتے
بلکتی راہوں سے سسکیاں لے کے
دُھکتے جنگلات سے فغاں لے کے
وہ بغل میں ب کھبیاں لے کے
ننگے پاؤں ویرانیاں لے کے
حسرتوں کا مآل لے کر
وہ دُکھتے کندھوں پہ جال لے کر
اب اپنے اپنے گھروں سے نکلیں گے عازمِ کاروبار ہو کر

●

جب اپنے مانوس پانیوں سے وہ جال کھینچیں گے غم کے مارے
جگہ جگہ پر رکاوٹوں سے
وطن کی غرقاب کشتیوں سے
وہ مُردہ جسموں کی ہڈیوں سے
وہ جال اُلجھیں گے اور پھنسیں گے
جو زور ماریں گے وہ بچارے
اگر جو مشکل سے کھینچ پاتے
تو اس لڑائی میں مرنے والوں کے چند اعضا کے ماسوا
جال میں اور کیا ملے گا۔
کلیجہ پھر تو سوا جلے گا۔

●

مجاہدوں کی جوان بہنیں
پھٹا پرانا لباس پہنے
جوانی ویران دُکھتی آنکھوں کے سُرخ سوجے ہوئے
پپوٹوں میں کچی نیندوں کا بوجھ تھامے
سروں میں برسوں کی دھول لے کے
حسین جبینوں پہ
گول باہوں پہ
کچھ خراشوں کے پھول لے کے
یہ ٹوٹی ٹوٹی سی گاگریں لے کے
مُرجھی مُرجھی سی چھاگلیں لے کے
انھیں شکستہ مزاج گھاٹوں کی اور پھر سے روانہ ہوں گی

●

گھنیرے جنگل میں جاتے جاتے
کہیں جو اُلجھی سی جھاڑیوں میں
کسی چھریرے جواں کا لاشہ
اگرچہ پھولا ہوا بھی ہوگا
مگر بہن ہے جو دیکھ پائے گی
چیخ نکلے گی جان جائے گی

●

کنارِ دریا کھڑے درختوں کی ننگی بے برگ و بار شاخیں
حسین شفاف پانیوں میں
جو عکسِ بیمار دیکھ پائیں
تو اپنی اپنی برہنگی کا ذرہ سا احساس کر سکیں گی
نہ جی سکیں گی، نہ مر سکیں گی
اگر وہ چاہیں
تو ننگی باہیں
یہ سبز پتوں اور تازہ پھولوں
کے سُرخ گجروں سے اتنی جلدی نہ بھر سکیں گی
کہ نام پر من و آشتی کے
ستم کا آغاز پھر سے ہوگا

عوامی نمائندوں نے خوب کمائی کی اور عوام منہ دیکھتے رہ گئے

اشرف شاد



بارہ سال پہلے آبادی سے میلوں دُور ریت کے ٹیلوں کی ایک بستی تھی۔ جہاں جھاڑیاں اُگتی تھیں۔ مٹی کے طوفان چلتے تھے۔ یا ویرانی راج کرتی تھی۔ مٹی، ریت اور ویرانیوں کے اس دیس سے پندرہ بیس میل دُور بنگلوں اور محلوں کے شہر میں لٹے پٹے مہاجروں اور مزدوروں اور بے روزگاروں اور ملک کے دُوسرے علاقوں سے اُجرت کی خاطر اپنی محنت بیچ دینے کے لئے صنعتی شہر کراچی میں قدم رکھنے والے مضبوط اور توانا جسم والوں کی جھونپڑیاں تھیں۔ جن میں بھوک و افلاس اور گندگی و غلاظت جھنکارتی تھی۔ جہاں کے لوگ روٹی اور پناہ کے ساتھ پانی تک کو ترستے تھے۔ یہ گندگی کاروں اور بنگلوں کے اس شہر میں تھی جسے پیرس کی طرح شفاف ستھرا اور جگمگاتا دیکھنے کی تمنا صرف نوکر شاہی کے اُن افراد کو ہی نہیں جنھیں یہاں کے کلب اور بار بہت بھاتے ہیں بلکہ متوسط طبقے کے ان جوانوں کو بھی ہے جو اپنی شامیں "الفی" اور بوہری بازار کی گلیوں میں رنگین بناتے ہیں۔

پیرس بنانے کے لئے شہر کے وسط سے جھونپڑیوں اور رگھیوں کے "داغ" دھونے ناگزیر ہوئے تو بیس میل دُور مٹی، ریت اور ویرانیوں کے دیس اور ان جگہوں کے اتصال کے منصوبے نے جنم لیا۔ ان کی آبادکاری کے نام پر کروڑوں روپے کے اس فنڈز سے چار چار فٹ اونچی دیواروں کے ایک ایک کمرے کے دو چھتی والے "نام نہاد" کوارٹر تعمیر ہوئے۔ شہر کی مزدور بستیوں کو ناجائز تجاوزات قرار دیکر اٹھایا اور ان اصطبل نما کوارٹروں میں لاکر پھینک دیا گیا۔ یہ بستی کورنگی کہلائی۔ اس کے برابر ہی لانڈھی تھی۔ جہاں آبادی کے کبھی ہلکے ہلکے نشان تھے۔

اب یہاں ریتوں کے ٹیلے نہیں لیکن ریت کے طوفان ہیں۔ جھاڑیاں اب بھی یہاں جابجا اُگی ہیں۔ لیکن یہ جھاڑیاں اب تپوں، ڈالیوں اور کانٹوں کی خودرَو جھاڑیاں نہیں بلکہ استحصالی نظام کی کوکھ سے اُگنے والی مفلسی اور بھوک کی جھاڑیاں ہیں۔ اس بستی کے بیشتر گھروں میں ان جھاڑیوں کی جڑیں ہر روز مضبوط اور مضبوط تر ہوتی جا رہی ہیں۔ گندگی اور غلاظت آج بھی یہاں اسی طرح راج کرتی ہے۔ مزدور کے ننگ دھڑنگ بچے آج بھی یہاں گلیوں میں کانچ کی گولیوں سے کھیل کر اپنی بھوک بہلاتے ہیں۔ اور یہاں کے سماجی کارکن، سیاست دان جشنِ کورنگی کے نام سے تقریبوں کا اہتمام کرکے اسے مثالی بستی سے تعبیر کرتے ہیں، اپنے اور دوستوں کی تصویروں کے بلندیے کی صُورت میں مجلّے شائع کرتے ہیں۔ بلدیہ اور اُس کی کارکردگی کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔ ہزاروں کے عطیات پاتے ہیں۔ قصیدہ خوانی کا خوش رنگ صلہ حاصل کرتے ہیں۔

کورنگی لانڈھی بارہ سال پہلے ایوب خان کے دَور میں شروع کی گئی تھی۔ اس کی تعمیر اس فنڈ سے ہُوئی تھی جو مہاجر فنڈ کہلایا تھا۔ یہ فنڈ برسوں کے دوران میں ملک کے مخیر حضرات اور بیرونی ملکوں کی امداد سے لاکھوں کروڑوں تک پہنچا تھا۔ لیکن یہ بستی بس گئی تو ادارۂ ترقیاتِ کراچی (کے ڈی اے) کو اس کا مالک ومختار بنا کر اس بستی کے مکینوں کو گاہے لگاہے تنگ کرنے کی ذمہ داری سُپرد کی گئی۔ کے ڈی اے نے یہاں کا منصبِ حکمرانی ہاتھ آتے ہی اپنے نام کی نسبت سے ہر اُس چیز کی ترقی میں دلچسپی لی جس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق اس کے افسروں، کلرکوں اور انسپکٹروں کی جیب سے ہُوا کرتا تھا۔ ان کوارٹروں کی الاٹمنٹ یا اُن سے بے دخلی، یہ سب کے ڈی اے کے افسرانِ بالا کی ابرو کی جنبشوں کی مرہونِ منت قرار پائی۔ ایوب خاں کی بنیادی جمہوریت والے

ایس۔ بی۔ علی کی مقبولیت کا راز سومار کی ملازمت میں پنہاں ہے





ارکین نے دلالی کا دھندا سنبھال لیا۔ اور اس طرح کورنگی لانڈھی کے ان کوارٹروں میں رہنے والوں کو پریشان کرنے والی مشینری کا ہر کل پرزہ پوری طرح تیار ہوگیا۔ اس علاقے میں کے ڈی اے کی ایڈمنسٹریٹر آفیسری پولیس کے تھانوں کی طرح نیلام ہونے لگی۔ جو ایک بار یہاں کا ایڈمنسٹریٹر ہو کر نکلا اُسی کی پشتیں سنبھل گئیں۔

مسائل

یہاں کے مسائل جوں کے توں رہے۔ اکثر علاقے پانی کے محتاج تھے۔ گندگی، غلاظت اور گٹروں سے اُبلنے والی کیچڑ کی افراط تھی۔ مچھروں کی افزائشِ نسل کے معقول انتظامات تھے۔ گویاں کھیلنے والے بچوں سے گلیاں آباد رکھنے کے لئے اسکول کم سے کم تھے، جو تھے ان کا نہ ہونا بہتر تھا۔ سڑکیں ہچکولے کھاتی تھیں۔ بسیں نخروں سے چلتی تھیں۔ ملیریا کی سوغات ملتی تھی تو بہت سی دقتوں کے بعد لنگڑے لولے ایک ہسپتال سے لال رنگ کا ایک گدلا سا مکسچر اور دو چار گولیاں مل جاتی تھیں۔ دکانوں کی چھتیں ٹپکتی تھیں۔ ہوا نہیں چلتی تو ٹین اڑ جاتے۔ ریت اڑتی تو گھر کی ہر چیز پر، حتّٰی کہ صحن کی چکنی مٹی تک پر بھوری کانٹے دار ریت کی تہیں جم جاتیں۔ گلیوں میں راتوں کو کتوں، چوروں اور گشت کرنے والی پولیس کے ان سپاہیوں کا راج ہوتا جو رات کی ڈیوٹی سے واپس آنے والے کسی شریف آدمی کو پکڑ کر اس سے دو روپے لینے

کی فکر میں گھومتے رہتے۔ پانی کی دعا سے فراموشیاں بھی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ لوگ گھڑی دیکھ کر نل کے پاس آس لگا کر بیٹھتے تو بہت ہوتا تو وہ دو آنسو ٹپکا دیتا۔

بلدیہ کورنگی لانڈھی

بارہ سال پہلے کورنگی کے آباد ہونے کے ساتھ مسائل کے انبار ہونے کا جو سلسلہ چلا تھا وہ اُسی طرح چلتا رہا۔ ۱۹۶۶ء میں بلدیہ لانڈھی کورنگی قائم ہوئی۔ بنیادی جمہوریتوں کے منتخب کردہ چیئرمین اس کے کونسلر بنے۔ اختیارات کی ایک نئی گنگا میں انہیں اشنان کرنے کا موقع ملا۔ کورنگی کے ناکوں پر چنگیاں بن گئیں اور اس کے ساتھ ہی یہاں آٹے دال کے بھاؤ بھی بڑھنے لگے۔ فیضل احمد اس وقت کے چیئرمین تھے اور اسلام الدین وائس چیئرمین۔ اسلام الدین صاحب نے یہ وائس

> ادارۂ ترقیاتِ کراچی کا
> کام صرف اتنا ہے کہ وہ
> باشندوں کو تنگ
> کرنے کا فریضہ انجام
> دیتی رہے

چیئرمینی ہزاروں روپوں میں خریدی تھی بلکہ لوگ تو اس کا تخمینہ لاکھوں تک میں لگاتے ہیں۔ وہ یہاں پر ٹھیکے کے مالک تھے سیمنٹ، اینٹوں اور دوسری تعمیراتی اشیاء کے یہ ٹھیکے ناجائز تجاوزات کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ وائس چیئرمین ہوئے تو ناجائز تجاوزات کی حدود میں اور اضافے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ٹھیکیداری کو بھی چار چاند لگے۔ لیکن ابھی وہ اپنی وائس چیئرمینی کی پوری قیمت نکال بھی نہ پائے تھے کہ وائس چیئرمین بننے کے سلسلے میں اُن کے دوسرے حریف محمد ابراہیم نے زور پکڑا۔ ایک طویل منصوبہ بندی کے بعد کئی چیئرمین کئی ہفتوں تک اپنا کاروبار چھوڑ چھاڑ انڈر گراؤنڈ ہو گئے۔ اور جس دن باہر آئے تو اسلام الدین صاحب جو ابھی تک بلدیہ کے ذریعے کورنگی، لانڈھی کے عوام کی رگوں سے خون نچوڑ کر اپنی لگائی ہوئی رقم پوری نہ کر پائے تھے۔ تحریک عدم اعتماد کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ محمد ابراہیم بلدیہ کورنگی لانڈھی کے نئے ٹھیکیدار منتخب ہوئے۔

فیضل احمد لکھنؤ کے ایک بزرگ تھے انہوں نے بھی یہاں خاصے ہاتھ پاؤں چلائے۔ اور کورنگی کے بے تاج شہنشاہ کی حیثیت سے وہ یہاں کافی دنوں تک راج کرتے رہے۔ کونسلروں کی اکثریت اس زمانے میں ان کی انگلیوں پر ناچتی تھی اور وہ بلدیہ کے حساب میں اپنے ذاتی استعمال کے لئے خریدی ہوئی "کارٹینا" گاڑی کے اسٹیرنگ کی طرح انہیں جس طرف چاہتے موڑ دیتے۔ اخبارات میں ان کے مفادات کی نگرانی، ٹرسٹ کے مقامی روزنامے کے چیف رپورٹر کیا کرتے تھے جو معقول معاوضے پر اس قسم کے کام کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ میں اس زمانے میں اسی اخبار میں سب ایڈیٹر ہوا کرتا تھا۔ موصوف کو اس زمانے میں میں نے بڑی پریشانی کے عالم میں دفتر کے چکر کاٹتے دیکھا ہے جبکہ اسی اخبار کے ایک دوسرے رپورٹر نے (جو اپنی اس قسم کی ایمانداری میں معتوب بھی ہوئے) فیضل کی بدعنوانیوں کا پردہ چاک کیا۔ اور ان کے برخوردار چیف رپورٹر ان کی کوئی مدد نہ کرسکے۔ لہٰذا جلد ہی

فیضل احمد صاحب کو اپنا بستر بوریا سمیٹ کر بلدیہ سے رخصت ہونا پڑا۔

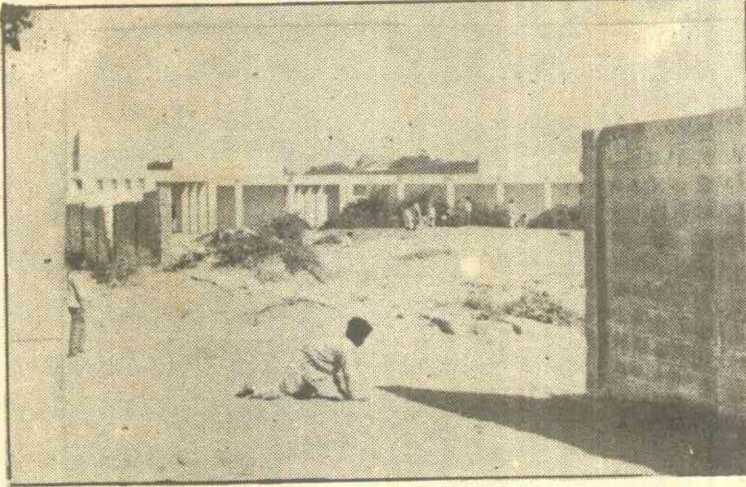
چیئرمین بدل گئے۔ وائس چیئرمین تبدیل ہو گئے۔ لیکن مسائل نہیں بدلے۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ بلدیہ نے صحت و صفائی کا کام سنبھالا تو اس فرض کی ادائیگی اس طرح ہوئی کہ جمعہ کے روز مسجدوں کے ذریعہ لوگوں سے صفائی کا خیال رکھنے کی اپیلیں کی جائیں۔ کوڑا اٹھانے والی گاڑیاں ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت ناکارہ انجن اور دوسرے بیکار پرزوں کے باعث کے ڈی اے سے ادھار لی ہوئی بلدیہ کی عمارت کے سامنے مرثیہ خواں رہے۔ تعلیم کے ضمن میں بھی خانہ پری کے لئے کئی اسکول کھولے گئے۔ لیکن ان میں سے کئی اسکول سالوں، جھونپڑی، ٹاٹ کے بورے اور ایک دو استادوں پر مشتمل ہر سال کامیابی کے سرٹیفکیٹ جاری کرتے رہے۔ کچھ لوگوں



کراچی کو پیرس بنانے

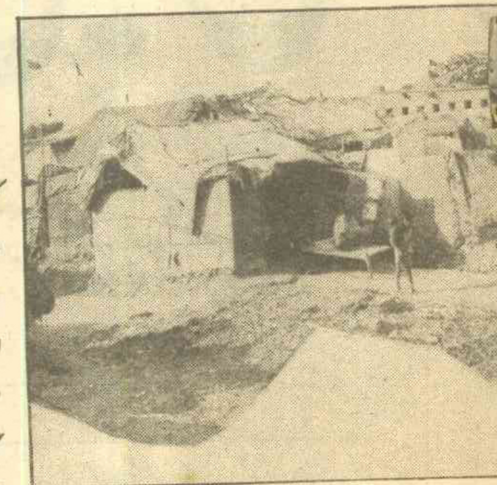
اسلام الدین اور ابراہیم میں رنجش کی وجہ بلدیہ کے ٹھیکے ہیں





پر عنایات کی بارش اس شکل میں ہوتی کہ ان کے کوارٹروں کو ڈیڑھ سو اور دو سو روپے میں کرائے پرلے کر کچھ اسکول کھول دیئے گئے۔ اور اسکولوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو تعمیراتی ٹھیکوں کی تقسیم کا حساب کتاب مدتوں بندر بانٹ کی نذر ہوتا رہا۔ موجودہ وائس چیئرمین صاحب کو بھی اپنی وائس چیئرمینی اور صوبائی انتخابات کی ضمانت نکالنی تھی۔ لہٰذا وہ بھی اسلام الدین کے نقش قدم پر بلکہ ان سے کچھ دو ہاتھ آگے وائس چیئرمین شپ کے پردے میں اپنی ٹھیکیداریاں مستحکم کرتے رہے۔

۱۹۷۱ء تک سڑکوں کی مرمت اور درستگی پر ۹½ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ لیکن یہ سڑکیں ابھی تک اس حالت میں ہیں کہ جب بسیں ان پر سے گذرتی ہیں تو ان کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لوگ معدوں کے حلق میں آنے کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں۔ اس سال کے لئے اس مد میں ۲۵ لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اور لوگ اس سوچ میں ہیں کہ اس سال کس کا مکان کوٹھی کی شکل میں ڈھلتا ہے۔ لوگ اس بات پر بھی حیران ہیں کہ کورنگی لانڈھی کی یہ سڑکیں دس لاکھ روپے کے لگ بھگ کھا گئیں۔ لیکن ان کی شکل آج بھی برسوں جیسی ہے۔



ں نے مزدوروں کو شہر بدر کر دیا

بلدیہ کے وائس چیئرمین اور کونسلر عوام کے منتخب نمائندے تھے۔ لیکن انہوں نے عوام کے اعتماد کو دھوکہ دینے کی روایتوں پر جس "انتہا پسندی" کے ساتھ عمل کیا وہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ عوام ایک نئے انتخاب کے مرحلے سے گزر چکے ہیں۔ وہ اپنے نئے نمائندے منتخب کر چکے ہیں۔ لہٰذا اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بنیادی جمہوریت کے عمل کے دوران منتخب ہونے والے ان کونسلروں کے اپنے عہدوں پر برقرار رہنے کا کیا جواز ہے۔ وائس چیئرمین کے عہدے پر جو صاحب براجمان ہیں وہ صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں اسی کورنگی لانڈھی کے باشندوں کے ہاتھوں اس بری طرح ہارے ہیں کہ ان کی ضمانت تک ضبط ہو گئی۔ اس کے بعد اس عہدے پر جس پر عوام کے اعتماد کا نمائندہ ہی بحال رہ سکتا ہے۔ ان کے برقرار رہنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

صحت و صفائی کے سلسلے میں کورنگی لانڈھی ۲۶ لاکھ روپے سالانہ کے ایم سی کے محمود آباد ٹریٹمنٹ پلانٹ کو ادا کرتی ہے۔ لیکن سیوریج کا مسئلہ کورنگی لانڈھی کے چند بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔ اسی طرح اسکالرشپ کے نام پر ہر سال بتیس ہزار روپے ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ اسکالرشپ کس کی سفارش پر کن کن خوش نصیبوں کو کن کن طریقوں سے دیئے جاتے ہیں۔ نجی اداروں کی امداد کی مد میں ۱۵ ہزار روپے سالانہ کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس مد میں سے گذشتہ دنوں جشن کورنگی منانے والوں کو جن کی نہ تو کوئی نمائندہ حیثیت تھی اور جو نہ کسی ادارے کی نمائندگی کرتے تھے۔ ڈھائی ہزار روپے ادا کئے گئے اور اس رقم کے عوض نام نہاد جشن کورنگی کے سلسلے میں نکالے جانے والے مجلہ میں بلدیہ لانڈھی کورنگی کی کارگزاریوں پر کئی صفحوں کا قصیدہ شائع کیا گیا۔

کونسلروں میں ایک صاحب ایس بی علی صاحب ہوتے ہیں جو اپنی فصیح و بلیغ گفتگو کے باعث بلدیہ کے بااثر حلقوں میں بہت مقبول ہیں۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بلدیہ کی ذیلی کمیٹیاں ان کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاتیں۔ سات ذیلی کمیٹیوں میں سے سماجی بہبود اور صحت و صفائی کی دو غیر اہم کمیٹیوں کو چھوڑ کر یہ پانچ کمیٹیوں کے رکن ہیں۔ ان میں تعمیراتی کمیٹی، تعلیمی کمیٹی، ذیلی کمیٹی، تحقیقاتی کمیٹی اور اعتراضاتی کمیٹی شامل ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے۔ اور کوئی بھی کونسلر تین سے زیادہ کمیٹیوں کا رکن نہیں ہے۔ لیکن ان کی مقبولیت کا اصل پس منظر دوسرا ہے۔ ایس بی علی صاحب اے کے سومار کے پاس

بلدیہ لانڈھی کورنگی کے سابق چیئرمین نے بدنامی سے بچنے کے لئے ٹرسٹ کے ایک اردو روزنامے کے چیف رپورٹر کو برخوردار بنا لیا، مگر باپ بیٹے کا دھندا زیادہ دیر نہ چل سکا

ملازمت کرتے ہیں۔ اور کورنگی لانڈھی میں ان کے خاص آدمیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی انہیں خدمات کے سبب ان کے صاحبزادے بھی سومار کے ایک مل میں انجینئر ہیں۔ بلدیہ میں سومار والے ایس بی علی صاحب چیئرمین صاحب کے بعد سب سے زیادہ اہم شمار ہوتے ہیں اور بسا اوقات ان کے اختیارات کا دائرہ وائس چیئرمین سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

اس تمام صورت حال میں وہ بلدیاتی کام جن کا تعلق عوام کی بھلائی سے ہے ٹنڈروں اور ٹھیکوں کی تقسیم اور کونسلروں کی باہمی سیاست کی نذر رہتے ہیں۔ اور انہیں تمام چیزوں نے مل کر کورنگی لانڈھی کے باشندوں کے لئے کے ڈی اے کے بعد خود بلدیہ کو ایک مسئلہ بنا دیا ہے۔ لیکن اب یہ مسئلہ صرف کورنگی اور لانڈھی کے عوام کا نہیں رہا ہے۔ بلکہ اس بلدیہ کا دائرہ اختیار ملیر سعود آباد تک بڑھا دیا گیا ہے۔ لہٰذا آئندہ سے ملیر و سعود آباد والے بھی کورنگی لانڈھی کے اس غم میں برابر شریک رہیں گے۔

اومنی بس سروس

کورنگی لانڈھی کے لاکھوں باشندوں کے لئے اومنی مصیبت اور پریشانی کی علامت بن چکی ہے صبح گھر سے دفتروں کو جانے والے ہزاروں مزدور، کلرک اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد جب کشتی کے سارے داؤں پیچ استعمال کر کے اپنے سفید کپڑوں پر داغ یا پھٹے ہوئے کپڑوں کے نئے چیتھڑے لئے اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں کی

ایوب خاں کے بی۔ڈی ممبر کب تک دلالی کرتے رہیں گے

روپٹی کی امیدوں کا مرکز ہوتی ہے تو گھڑی کی سوئیاں ان کی دیر سے آمد کا مذاق اڑاتی ہیں۔ اور اسی طرح جب وہ تھکے ہوئے اپنے گھروں کو واپسی کا قصد کرتے ہیں تو مشقت کا ایک نیا مرحلہ انہیں درپیش ہوتا ہے۔ رات کی شفٹوں میں کام کرنے والے واپس گھروں کو جانے کے لئے بسوں کے انتظار میں اکثر راتیں صدر کے فٹ پاتوں پر ٹہل کر گزار دیتے ہیں۔ ان بسوں کے فٹ بورڈ پر لٹک کر سفر کرنے والوں کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ شاید ستون دار پر سروں کے چراغ رکھے ہوئے گزرنے والے یہی جیالے ہیں۔ یہ صورت حال گذشتہ چند دنوں کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ کورنگی لانڈھی اور ان سے متصل دوسری بستیوں کے عوام کو ادمنی کی چھتری تلے یہ ستم سہتے ہوئے مہینوں گزر گئے ہیں۔

ادمنی کو جب نواحی بستیوں کے روٹ پر اجارہ داری دی گئی تھی تو اس دعوے کے ساتھ کہ ان علاقوں کے باشندوں کو جو ایک عرصے سے نجی بسوں کی من مانیوں کے ہاتھوں برسوں سے ستم رسیدہ ہیں۔ ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولت فراہم کردی جائے۔ آرام سے بسوں میں سفر کرسکیں۔ اپنے دفتروں کو وقت پر پہنچ سکیں۔ ان روٹس پر اجارہ داری   س منصوبے کا ایک حصہ تھی۔ کہ یہ تجربہ کامیاب ہوگیا تو پورے شہر میں ٹرانسپورٹ نیشنلائز کرکے سرکاری ٹرانسپورٹ کے تحت دے دی جائے گی۔ پورے شہر پر ادمنی کا راج ہوگا اور لوگ چین کی بنسری بجاتے ان بسوں میں سفر کیا کریں گے۔ لیکن یہ تجربہ اس بری طرح ناکام ہوا کہ جس سے پریشان ہوکر لوگ دعا مانگنے والوں کی طرح نواحی بستیوں کے عوام بھی نجی بسوں کو ان روٹس پر دوبارہ چلانے کی تمنا کر رہے ہیں۔

ادمنی بس سروس کے کارپردازوں کی دھاندلیاں ان کے انسپکٹروں اور دوسرے سپروائزری اسٹاف کی مسافروں کے ساتھ بدتمیزیاں ایک مستقل روایت بن گئی ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک بس میں چڑھتے ہوئے اسکولوں کے لڑکوں کو چلتی ہوئی بس سے ادمنی کے ایک انسپکٹر نے دھکا دے کر نیچے گرا دیا تھا۔ اور ان میں سے ایک بس کے پہیئے کے نیچے کچل کر ہلاک ہوگیا۔ جبکہ دو تین بچے زخمی ہوئے اس قتل پر انسپکٹر کے خلاف کیا کارروائی ہوئی۔ یہ نہیں معلوم اس کے خلاف کورنگی لانڈھی کے طلبہ نے ادمنی کے خلاف مظاہرہ کرکے ایک دو بسوں کو آگ لگا دی تھی۔ ادمنی کے خلاف اس احتجاج کو مقبوضہ اخبارات نے لسانی ہنگاموں کا رنگ دینے کی کوشش کی تھی۔

بسوں کی صورت حال یہ ہے کہ کورنگی کی حدود میں بنائے ہوئے ڈپو میں سینکڑوں بسیں لاوارث کھڑی ہیں۔ متعدد بسیں ورکشاپ میں مرمت طلب کھڑی ہیں۔ ان میں سے بعض بسوں میں صرف تھوڑی دیر کا کام ہوتا ہے لیکن وہ مہینوں کسی مکینک کے ہاتھ لگنے کی منتظر رہتی ہیں۔ ادھر مسافروں کا اژدحام بس اسٹاپوں پر کھڑا ان کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا رہتا ہے۔ نوکر شاہی کی بدعنوانیوں نے ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کو وسیع کرکے عوام کے ایک بڑے مسئلے کو حل کرنے کے اس پروجیکٹ کو ناکام بنا دیا ہے۔ کورنگی لانڈھی کے عوام جب سے اس بستی میں بسے ہیں اس عذاب کا مستقل شکار ہیں۔ اور انہیں دور دور تک اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ

نواحی بستیوں کے لئے سماجی بہبود کی صوبائی وزارت نے ڈیولپمنٹ پروجیکٹ قائم کئے تھے اس سلسلے میں ایک بڑے سرمائے سے مختلف مقامات پر عمارتیں تیار ہوئیں۔ ان کے لئے بڑے بڑے بجٹ منظور ہوتے لیکن بجٹ سے جو رقوم حاصل ہوئیں ان سے یہاں کے رہنے والوں کا بھلا نہیں ہوا۔ اگر ہوا بھی تو ان نام نہاد مقامی سیاست والوں اور سماجی کارکنوں کا جن کی بدعنوانیاں کورنگی لانڈھی میں ضرب المثل ہیں۔ ان پروجیکٹ پر جماعت مودودی اور اسلامی جمعیت طلبا نے خصوصا بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ قبضہ جمانے کی سازشیں کیں۔ کورنگی میں د پر واقع پروجیکٹ کی مرکزی عمارت میں جس میں ایک آڈیٹوریم اور متعدد کمرے اور جگہ ہے رجعت پسندوں نے پوری طرح قبضہ کر رکھا ہے ۔ کے ایریا کے پروجیکٹ کی عمارت ایک مقامی تاجر تاج محمد کو مفت دی گئی جس میں عرصے تک وہ ایک انگریزی اسکول چلا کر اس سے پیسہ کماتا رہا۔ بہت سے پروجیکٹ ایسے ہیں جہاں برسوں سے انتخابات نہیں ہوتے۔ اور ان پر بدعنوان عناصر کا قبضہ ہے۔ ان مراکز کے ذریعے سرکاری فنڈز کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہو رہا ہے۔ لیکن کوئی پوچھنے اور بازپرس کرنے والی طاقت نظر نہیں آتی۔

مزدور بستیوں کی صورت حال

ان مزدوروں نے جن کے پاس کوارٹروں کا ٹھکانہ بھی نہ تھا۔ لانڈھی میں گھاس پوس اور ٹاٹ سے اپنے رہنے کی جگہ بنائی ہے۔ یہ بستیاں ایک استحصالی معاشرے کے محنت کشوں کی حالت زار کی نمائندہ ہیں۔ یہ داؤد چالی، بلال کالونی، مظفر آباد کالونی، قائد آباد، فیچر کالونی، ور حسین چالی (بنگالی پاڑہ) کی بستیوں پر مشتمل ہیں۔ یہ بلدیاتی سہولتوں سے محروم ہیں اور انہیں کے ڈی اے اور بلدیہ کے ہاتھوں کسی بھی لمحے گرائے جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ ان بستیوں میں پولیس اور دوسرے انتظامی اداروں سے ملے ہوئے بعض ایجنٹوں نے جگہیں گھیر کر اینٹوں کی چار دیواریاں بنا رکھی ہیں۔ اور وہ ان میں دس دس بیس مزدوروں کو کرائے پر رکھتے ہیں۔ داؤد ملز کے سامنے داؤد چالی میں مزدوروں نے جو بستی بسائی ہے۔ اس کی زمین داؤد نے خریدی ہے اور وہ اس زمین سے مزدوروں کی جھونپڑیوں کو اٹھانے کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔ مزدوروں میں اس مسئلے پر بہت اشتعال ہے۔ اور انہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ یہ جگہ کسی قیمت پر نہ چھوڑیں گے۔



نکسن کمبوڈیا کی پٹھو حکومت کے سربراہ ہیں

شفیق فاروقی

کمبوڈیا پر امریکی جارحیت اور ہند چینی میں وحشیانہ کارروائیوں کا تعلق سامراج کی اس گھناونی سازش سے ہے جس کے تحت وہ سامراج کا تسلط افریشیائی اور نوآبادیاتی ممالک میں برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ یہ مضمون اسی سازش پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔

کمبوڈیا میں امریکی مداخلت کا تمام منصوبہ صدر نکسن کی ہدایات کے مطابق تیار کیا گیا تھا۔ اس کا انکشاف وہائٹ ہاؤس کے ایک ترجمان نے کیا ہے۔ صدر نکسن کی ہدایت پر بری افواج کو پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔

اس سے قبل امریکی صدر نکسن نے اپنے ٹیلیویژن انٹرویو میں ویت نام سے ایک لاکھ پچاس ہزار فوجیوں کی واپسی کا اعلان کیا لیکن یہ سامراج کی ایک نہایت مکروہ چال تھی۔ نکسن نے خود اپنے ملک کے باشندوں کی بڑھتی ہوئی نفرت اور مخالفت کے دباؤ کو کم کرنے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مجرمانہ کوشش کی تھی اور اس طرح فوج کی اس نفری کو ویت نام سے ہٹا کر کمبوڈیا کی سرحدوں پر جھونک دیا گیا۔

۶ مارچ ۱۹۷۰ء کو لیفٹیننٹ جنرل لون نول نے امریکی سامراج سے ساز باز کر کے پرنس سیہانوک کا تختہ الٹ دیا لیکن کمبوڈیا کے حریت پسندوں نے لون نول کی پٹھو حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی جس کے نتیجے میں سامراجی ایجنٹ لون نول کی حکومت خطرے میں پڑ گئی۔ اب اس کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس نام نہاد حکومت کو برقرار رکھنے میں اپنے سامراجی آقاؤں سے امداد طلب کرے۔ اس وقت تک امریکہ میں صدارتی سطح پر کوئی پروگرام مرتب نہیں ہوا تھا۔

۱۹ اپریل کو امریکی فوج کے جونیئر کمانڈر انچیف جان میکین نے مشیر برائے قومی دفاع مالون لیئرڈ کی رپورٹ کے مطابق صدر نکسن سے ہوسٹن میں ملاقات کے دوران انہیں کمبوڈیا کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا اور صدر کے ہمراہ ہوسٹن سے سان کلیمنٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں انہوں نے صدر نکسن کے مشیر برائے قومی دفاع کسنگر سے ملاقات کی اور کمبوڈیا کی صورتِ حال پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

۲۰ اپریل کو حریت پسندوں نے کمبوڈیا کے دارالخلافہ نوم پنہہ کے جنوب مشرق کے شہر ساٹنگ پر قبضہ کرنے کے ساتھ مزید دو شہروں سناول اور ٹاکیو کو بھی نشانہ بنایا۔ چنانچہ اس خبر کی اطلاع ملتے ہی صدر نکسن کسنگر کے ساتھ فوری طور پر واشنگٹن کے لئے روانہ ہو گئے۔

۲۱ اپریل کو تقریباً ۸ بج کر ۱۵ منٹ پر اوول دفتر میں داخل ہوئے اور چند منٹ ٹھہرنے کے بعد روز ویلٹ روم میں داخل ہوئے۔ جہاں پر جان ارلیچمین مشیر برائے داخلی امور اپنے معمول کے مطابق عملے سے مصروف گفتگو تھے۔ صدر نکسن ۸ بج کر ۴۰ منٹ پر فارغ ہوئے۔ اس کے بعد اوول آفس پہنچے جہاں انہوں نے ۹ بجکر ۳۰ منٹ تک تنہا کام کیا۔ اس کے بعد صدر نکسن نے مشیر قومی دفاع کسنگر اور سی آئی اے کے ڈائرکٹر سے ملاقات کی اور کمبوڈیا کی صورتِ حال پر اپنی غیر معمولی تشویش کا اظہار کیا اور اگلے دن قومی سلامتی کونسل کا اجلاس بلانے کی ہدایت کی۔ ۱۱ بج کر ۱۲ منٹ پر صدر نکسن اوول آفس سے ایگزیکٹو آفس پہنچے۔ یہ دفتر وہائٹ ہاؤس کے مغربی حصہ میں واقع ہے جہاں کسنگر، مالون لیئرڈ ان کے منتظر تھے۔ لیئرڈ اور کسنگر نے صدر نکسن کو کمبوڈیا کے حریت پسندوں کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کے خلاف امریکی مداخلت کا مشورہ دیا ... تھ ہی انہیں ویت نام سے فوجوں کی واپسی کی صورت میں پیدا ہونے والے اثرات سے آگاہ کیا۔ ۶ بجکر ۵۲ منٹ پر یہ اجلاس ختم ہوا۔ وہاں سے واپسی پر صدر نکسن وہائٹ ہاؤس میں قوم پرست چین کے نائب وزیرِ اعظم چیانگ چنگکو کے اعزاز میں دیئے گئے ڈنر میں شرکت کی۔ ۱۰ بج کر ۸ منٹ پر وہاں سے رخصت ہو کر لنکاں سٹنگ روم پہنچے اور وہاں تقریباً ایک بجے رات تک کام کرتے رہے

دوسرے دن ۸ بج کر ۵۰ منٹ پر نکسن اپنے دفتر میں آئے جہاں انہوں نے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے انٹیلیجنس اور تحقیق و تفتیش کے ڈائرکٹر اے۔ ایس کلائین سے کمبوڈیا کے حریت پسندوں کی کارروائیوں پر تبادلۂ خیال کیا۔

۹ بج کر ۴۱ منٹ پر کسنگر اوول آفس میں داخل ہوئے اور کچھ دیر بعد ہلمز بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے تقریباً دس بجے تک آپس میں باتیں کیں۔ اس کے بعد لیفٹیننٹ جنرل جان واگٹ کے ساتھ ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ صدر نکسن بھی اس میٹنگ میں شریک ہوئے اور تقریباً بیس منٹ تک مذاکرات میں حصہ لینے کے بعد ان دونوں کو اوول آفس میں آنے کی ہدایت کر کے لنچ پر چلے گئے

۳ بجے نیشنل سیکورٹی کونسل کا اجلاس شروع ہوا جس میں صدر نکسن کے علاوہ نیول آپریشن کے چیف تھامس مور، جنرل ایرل وہیلر، سی آئی اے چیف رچرڈ ہلمز، اٹارنی جنرل جان مچل، ڈائرکٹر ایمرجنسی بریگیڈیر جنرل جارج اے لنکن شریک تھے۔ اس اجلاس میں جو قرار دادیں پاس ہوئیں وہ یہ تھیں:۔

"لون نول کی حکومت کو سخت مشکلات درپیش ہیں جس کی بڑی وجہ اس کی فوج کی ناکارہ تربیت ہے۔ کمبوڈیا کے حریت پسندوں نے اپنی کارروائیوں میں اضافہ کر دیا اور اس طرح انہوں نے ایک وسیع علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جلد ہی پورے کمبوڈیا پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ امریکی انتظامیہ لون نول حکومت

امریکی عوام میں بڑھتی ہوئی نفرت کے سیلاب کو روکنے کے لئے نکسن حکومت بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی ہے



عوامی جمہوریہ چین کے عوام کمبوڈیا میں امریکی جارحیت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں

امریکی سامراج دُنیا بھر میں فوج کشی کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے

کو بھاری تعداد میں اسلحہ کے ساتھ فوجی ماہرین بھی فراہم کرے تاکہ دشمن کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو روکا جا سکے اور ساتھ ہی ویت نام میں تعینات امریکی فوجوں پر دباؤ کسی حد تک کم کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ اجلاس میں اس بات پر بھی اتفاقِ رائے ہوا کہ امریکی انتظامیہ ویت نام میں امریکی فوجوں کے تحفظ کے سلسلے میں مؤثر کارروائی کرے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ جنوبی ویت نام میں امریکی بری فوجوں کو امریکی فضائیہ کی امداد ضروری ہے۔ یہ امداد امریکی فوجی ماہرین کی ہدایات میں دی جائے گی۔ اس اجلاس کا اختتام ۴ بج کر ۴۲ منٹ پر ہوا لیکن صدر نکسن نے اس اجلاس میں کسی حتمی فیصلے سے گریز کیا اور ذمہ دار ایجنسیوں کو حکم دیا کہ جنوبی ویت نام میں سیگاؤں کے مغرب میں ۲۵ میل دور پریٹ بیک پر حملے کا منصوبہ مرتب کرے تاکہ اسے فوری طور پر عمل میں لایا جا سکے۔

۲۳ اپریل کو کنگر نے واشنگٹن اسپیشل ایکشن گروپ کی ایک میٹنگ بلائی جس کا قیام ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ اس گروپ کا کام سیاسی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ گروپ تمام ممالک میں خفیہ ذرائع سے سیاسی بحران کا جائزہ لینے کے بعد امریکی مفاد میں سیاسی بحران پیدا کرتا ہے اور پھر انہیں غیر مشروط طریقے پر امریکی مفاد کی خاطر استعمال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ تمام ممالک کی فوجی نقل و حمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔ اس ادارہ کے سربراہ بھی کنگر ہیں۔ اس کے علاوہ اس ادارہ میں سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے سیاسی امور الیکسنر جانسن، ڈپٹی سیکرٹری آف ڈیفنس ڈیوڈ پیکارڈ، جنرل ایرل وہیلر، سی آئی اے کے چیف ہلمز، اسسٹنٹ سیکرٹری مارشل گرین بھی شامل ہیں۔

۲۳ اپریل کو ڈبلیو ایس اے گروپ کے پاس کمبوڈیا میں مداخلت کا کوئی کاغذی پروگرام نہ تھا۔ لیکن پرنس سہانوک کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد اس ادارہ نے لون نول کی حکومت میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور مارچ کے آخر میں معمولی امداد کی سفارش کی جس کے تحت اس نام نہاد حکومت کو "اے کے، ۴۷" قسم کی رائفلیں بھاری تعداد میں مہیا کی گئیں۔

واشنگٹن اسپیشل ایکشن گروپ کے اجلاس کے اختتام کے بعد کنگر نے علیحدہ علیحدہ مارشل گرین، پیکارڈ، ایڈمرل مورو، جنرل ایرل وہیلر سے ملاقاتیں کیں۔ اس اجلاس کے بعد نکسن نے نوم پنہہ میں امریکی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا اور کمبوڈیا پر امریکی حملے کے سلسلے میں ضروری معلومات حاصل کیں۔ اس کے بعد نکسن نے دوبارہ کنگر سے رابطہ قائم کیا اور پریٹ بیک کے علاوہ دیگر علاقوں پر امریکی پیش قدمی کے منصوبے کے بارے میں بات چیت کی اور ساتھ ہی کنگر، مورو، ہلمز اور لیفٹیننٹ جنرل رابرٹ ای کشمین، ڈپٹی ڈائرکٹر سی آئی اے سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

۲۴ اپریل کو صدر نکسن نے مذکورہ بالا افراد سے ملاقات کی اور جنرل کشمین کو ویت نام میں امریکی فوج کی کمان سونپ دی۔ اس کے علاوہ امریکی افواج کی فش ہک پر پیش قدمی کے بارے میں بھی بات چیت کی گئی۔ اسی صبح کو صدر نکسن نے پریٹ بیک پر پیشقدمی کی ہدایات جاری کر دیں۔ ساتھ ہی امریکی فضائیہ کو جنوبی ویت نام میں موجود امریکی بری فوجوں کی امداد کی ہدایات دے دی گئیں۔ اس میٹنگ کے بعد کنگر نے لیرڈ کو بلایا اور مجوزہ علاقہ پر پیش قدمی کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی ایک منصوبہ بھی تیار کرنے کی ہدایت کی۔

۲۵ اپریل کو لیرڈ نے کنگر کو منصوبہ پیش کر دیا۔ اس کے بعد کنگر نے جان ارلچمین سے ملاقات کی اور لیرڈ کے بنائے ہوئے منصوبے کو سامنے رکھا۔ اس پر ان دونوں میں بڑی دیر تک امریکی پیش قدمی اور اس کے اثرات و مضمرات پر بحث ہوئی۔ آخر میں یہ طے پایا کہ بیک وقت پریٹ بیک اور فش ہک کو نشانہ بنایا جائے۔

کنگر اس منصوبے کو لے کر ہمبرگ پہنچا جہاں اس نے صدر نکسن سے ملاقات کی اور اس منصوبہ کی تفصیلات کا جائزہ لیا۔ وہاں سے کنگر اور صدر نکسن ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے واشنگٹن نیوی یارڈ پہنچے جہاں انہوں نے جان مچل سے ملاقات کی۔

۲۶ اپریل کو دوبارہ اس منصوبے پر غور و خوض کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس امر کا بھی جائزہ لیا گیا کہ اس حملہ کا اثر سائیگان پر کیا ہوگا۔

۲۷ اپریل کو صدر نکسن نے پریٹ بیک، فش ہک آپریشن اسکیم کو کابینہ کے ممبران کے سامنے پیش کیا اور اس کے بارے میں کابینہ کے ممبران سے رائے طلب کی۔ کنگر، ہلڈا مین، لیرڈ اور راجرس نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد فش ہک کو پہلے نشانہ بنانے کی تجویز پیش کی۔ کیونکہ اس علاقے میں امریکی افواج کو کم سے کم نقصان کا امکان تھا۔ ساتھ ہی سنیٹ برائے خارجی تعلقات کمیٹی کے ردِ عمل پر بھی غور کیا گیا۔

صدر نکسن نے سائیگان میں متعین سفیر ایلن ورتھ اور جنرل کرائٹن ابرام کو فش ہک پر امریکی حملہ کی تفصیلات بتائیں اور ان کی رائے طلب کی۔

۲۸ اپریل کو ۱۱ بج کر ۲۰ منٹ پر صدر نکسن نے کنگر کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ سنیٹ کے بقیہ تین ممبروں سے ملاقات کریں اور صدر کے اس فیصلے سے انہیں آگاہ کریں۔ کیونکہ اب مزید بات چیت میں وقت خراب نہیں کیا جا سکتا تاکہ جلد از جلد مجوزہ منصوبہ کے مطابق پریٹ بیک اور فش ہک کو نشانہ بنایا جا سکے۔

اسی دوپہر کو صدر نکسن نے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جسے ڈبلیو ایس اے گروپ کے پیچیدہ سوالات کے جواب تیار کرنا تھے۔

۷ بج کر ۴۴ منٹ پر صدر نکسن نے نائب صدر اگنیو سے ملاقات کی اور انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد تین بج کر ۹ منٹ پر اعلیٰ فوجی افسران سے صدر نکسن نے کیبنٹ روم میں ملاقات کی۔ اس میٹنگ میں نیشنل گارڈ ایسوسی ایشن، نیوی لیگ، ریزرو آفیسرز ایسوسی ایشن، ریٹائرڈ آفیسرز ایسوسی ایشن، امریکی آرڈننس ایسوسی ایشن، ایسوسی ایشن آف یونائیٹڈ اسٹیٹس آرمی میرین کارپس لیگ، نیشنل رائفل ایسوسی ایشن، امریکن سکورٹی کونسل اور فلیٹ ریزرو ایسوسی ایشن کے اعلیٰ افسران شامل تھے۔

صدر نکسن نے کمبوڈیا میں حریت پسندوں کی کارروائیوں پر اپنی تشویش کا اظہار کیا لیکن کمبوڈیا میں امریکی فوجی مداخلت کے بارے میں حالیہ فیصلہ کو بیان کرنے سے گریز کیا اور اس میٹنگ کے شرکاء سے کمبوڈیا کی صورتِ حال پر بات چیت کرتے ہوئے امریکی مداخلت کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور کہا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے شامل ہو تو انہیں امداد دی جا سکتی ہے۔ آخر میں صدر نکسن نے ان اعلیٰ افسران سے کمبوڈیا میں امریکی مداخلت کے بارے میں جلد ہی اپنے فیصلہ کا اعلان کرنے کا وعدہ کیا۔

ڈبلیو ایس اے گروپ نے اسی دوپہر کو تقریباً دو گھنٹے تک پروگرام کے مطابق فش ہک آپریشن کی دستاویز مرتب کی اور امریکی فوج کو پیش قدمی کی ہدایت جاری کرتے ہوئے کہا کہ ۳۰ اپریل کو ٹھیک ساڑھے سات بجے فش ہک پر پیش قدمی شروع کر دی جائے۔ اس دستاویز کو "ٹاپ سیکرٹ" کے طور پر تین لال فیتوں سے لپیٹا گیا۔

۴ بج کر ۵۰ منٹ پر ڈبلیو ایس اے گروپ کی میٹنگ

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

امریکہ نے ایک لاکھ

پچاس ہزار فوجی

ویت نام سے واپس

نہیں بلائے

"ہمارے ادب اور فن کو لاکھوں اور کروڑوں محنت کش عوام کی خدمت کرنی چاہیئے"

چینی افسانہ

لوسون

ترجمہ: نعیم آروی



کانگ یی جی

چین کے افسانہ نگاروں میں لوسون کا نام اُبھرا ہے۔ افسانے کے فن کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں اُن کی خدمات غیر معمولی ہیں۔ اپنی زندگی کے اوّلین دور میں انہوں نے ایک دانشور کی حیثیت سے چین کی روایتی ثقافت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور جدید مغرب کے مزاج سے بخوبی آگاہ تھے۔ ۱۹۲۰ء میں وہ عوامی انقلاب سے بے حد متاثر ہوئے اور دھیرے دھیرے ان کا قلم عوامی مسائل اور انقلاب کا ترجمان بن گیا۔ وہ تھوڑے عرصے میں اپنے علمی، ادبی اور سیاسی کارناموں کے سبب طلبا اور دانشوروں کے حلقے میں بے حد مقبول ہو گئے۔

لوسون جس سماج اور کلچر کے پیداوار تھے وہ استحصالی نظام کی کوکھ سے ابھرا تھا۔ جس میں انسان، انسان کا غلام بنا دیا گیا تھا۔ زندگی کی نعمتیں صرف چند لوگوں کے لئے تھیں۔ بقیہ انسانوں کا انبوہ جانوروں کا ایک ایسا ریوڑ تھا جسے جب چاہا اپنے مفاد، مصلحت اور مقصد کی بھینٹ چڑھا دیا۔ لوسون کا آزاد، انقلابی ذہن اس سماج سے لگّا نہ کھاتا تھا۔ انہوں نے بڑے ہوتے جاگیرداری نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور ان کا قلم سراپا احتجاج بن گیا۔ انہوں نے مارکسزم کا مطالعہ کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ ظلم و استحصال کا خاتمہ، سوشلسٹ انقلاب ہی کر سکتا ہے۔

لوسون ۱۸۸۱ء میں چین کے ایک شہر شاؤ زنگ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے خاندان کے افراد ملازم پیشہ تھے۔ آمدنی محدود تھی۔ ان کا سارا بچپن غربت اور تنگ دستی کی گود میں گذرا۔ شاؤ زنگ ہی میں افسانے لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ نیول اکیڈمی اور کان کنی کے ایک اسکول میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۰۲ء میں ٹوکیو گئے اور طبّی تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد مسلسل تین سال تک مغربی ادب کا مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۹۰۹ء میں چین واپس آئے اور معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۱ را کتوبر ۱۹۳۶ء میں تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ ان کا اصل نام زاؤ شورن تھا۔ مگر ادبی دنیا میں لوسون کے نام سے مقبول ہوئے۔ جاپان سے واپسی کے بعد ان کا پہلا افسانہ "ایک میڈم کی ڈائری" تھا۔ ان کا یہ افسانہ مرتے ہوتے ظالم سماج کے خلاف پہلا احتجاج تھا۔

لوسون نے افسانے کے فن کو تفریح کی خاطر استعمال نہیں کیا۔ وہ ادب کو زندگی کا حصہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کے اوّلین دور کی کہانیاں چین کے جاگیرداری سماج کے ظلم، جبر اور استحصال کا آئینہ تھیں۔ انہوں نے اس فن کے ذریعہ عوام کو اس گلے سڑے سماج کے خلاف اکسایا۔ اور انہیں شعور دیا کہ اس معاشرے سے جلد از جلد نجات حاصل کرنے کی راہیں تلاش کرو ——— "کانگ یی جی" کا شمار ان کی بہترین کہانیوں میں کیا جاتا ہے۔

لوزہن کا شراب خانہ اپنے طرز کا واحد اور منفرد تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ایک چوکور کمرہ ملتا تھا۔ جس میں چاول کی شراب کے لئے گرم پانی ہر وقت تیار رہتا تھا۔ قرب و جوار میں کام کرنے والے، دوپہر اور شام کے وقت اپنا کام ختم کرنے کے بعد اسی شراب خانے میں آتے، اور شراب کا پیالہ پی کر دن بھر کی جسمانی مشقت اور ذہنی پریشانیاں کم کرتے تھے۔ بیس سال قبل شراب کا ایک پیالہ چار کو پرز میں ملتا تھا۔ اور اب انہیں ایک پیالے شراب پر دس کو پرز خرچ کرنے پڑتے تھے۔ شراب کے ساتھ چکھنے پر بھی انہیں پیسے دینے پڑتے تھے۔ گرما گرم، لذیذ گوشت کی ایک پلیٹ ۱۲ کو پرز میں ملتی تھی۔ یہاں آنے والے عام طور پر محنت مزدوری کرنے والے ہوتے تھے شراب کے گھونٹ کے ساتھ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے اس قدر فضول خرچی ان کے بس کی بات نہ تھی۔ ان میں سے چند ہی شاہانہ ٹھاٹ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے لئے وہ اندرونی کمرے میں چلے جاتے تھے۔ اور شراب کے ساتھ ڈش کا آرڈر دیتے۔ اور بڑے اطمینان سے شراب کی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے اپنا وقت گذارتے تھے۔

میں نے بارہ سال کی عمر سے شہر کے ایک شراب خانہ میں ملازمت شروع کی۔ باس نے باہر والے کمرے میں میری ڈیوٹی لگاتے ہوئے کہا کہ "شکل سے بدھو" نظر آتے ہو، صاف ستھرے کپڑے پہننے والوں کی خدمت تم ٹھیک طور پر انجام نہیں دے سکتے۔"

بیرونی بار روم میں میلے کچیلے اور زنگ کوٹ پہن کر آنے والے گاہکوں سے کاروبار کرنا نسبتاً آسان ہوتا تھا۔ لیکن ان میں سے بھی چند ایسے گاہکوں سے مڈبھیڑ ہوتی رہتی تھی جو شراب کا پیالہ بھرتے وقت ایک ایک قطرے پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور جب میں شراب میں گرم پانی ملانے لگتا تو وہ خود پیالے کا مشاہدہ کرتے تھے کہ کہیں میں نے گھپلا تو نہیں کیا۔ گاہکوں کی جانب سے جب اتنی کڑی نگرانی شروع ہو جائے تو کام میں یقیناً دشواری پیش آنے لگتی ہے۔ میرے باس کو یہ جاننے میں زیادہ دن نہیں لگے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔

خوش قسمتی سے ایک با اثر آدمی نے باس سے میری سفارش بھی کر دی۔ چنانچہ مجھے شراب کنکنا کرنے کے معمولی کام پر لگا دیا گیا۔ اس کے بعد میں تمام دن اپنے فضول اور بے مصرف کام پر کھڑا رہتا تھا۔ میں نے اس نئے پوسٹ پر اپنے کام سے باس کو مطمئن کر دیا تھا۔ مگر خود مطمئن نہ تھا۔ میرا سارا وقت بڑی بوریت اور اکتاہٹ میں گزرتا تھا۔ میرے باس کا چہرہ سخت اور کھردرا تھا۔ گاہکوں کے چہرے کے تاثرات بھی ناخوشگوار ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے پورے شراب خانے کا ماحول غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا مضمحل نظر آتا تھا۔ ہنسنے ہنسانے کا موقع صرف اس وقت ملتا جب بار میں کانگ یی جی داخل ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

کانگ بی جی لمبے گاؤن پہننے والا واحد گاہک تھا جو کھڑے ہو کر شراب نوشی کرتا تھا۔ بھاری جسم، کم، بدرونق، چہرے پر بے شمار شکنیں، کہیں کہیں گہرے نشانات، بدوضع اور بڑھی ہوئی داڑھی کا انسان۔ اس کا لمبا گاؤن میلا کچیلا اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ گاؤن کو دس سال یا اس سے زیادہ عرصے سے دھویا نہیں گیا تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں بودے پن سے بار بار محاورے استعمال کرنے کا عادی تھا۔ اس کا اصلی نام کانگ تھا مگر لوگ تفریح لینے کے لئے اسے کانگ بی جی کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ جب کبھی بار میں داخل ہوتا ہر شخص اسے دیکھنے لگتا۔ اور اس کا مذاق اڑانے لگتا ان میں سے کوئی پکار اٹھتا:

"کانگ بی جی! آج تمہارے چہرے پر تازہ نشانات کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

وہ ایسی باتوں کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھے کاؤنٹر پر آتا اور نوکو پر زور دے کر گرما گرم شراب کے دو پیالے اور چکھنے کا آرڈر دیتا۔ اتنے میں کوئی اور جملہ کس دیتا۔

"تم نے آج پھر کہیں چوری کی ہوگی۔"

کانگ بی جی ایک دم سے بھڑک اٹھتا۔ اپنی پیشانی پر شکن ڈالتے ہوئے کہتا۔ "بلاوجہ ایک شریف آدمی کے نام کو بدنام کرنے میں تم لوگوں کو کیا مزہ ملتا ہے؟"

"شریف آدمی کا نام — کیا پرسوں تم "ننھی خاندان" کے یہاں کتابیں چوری کرتے ہوئے نہیں پکڑے گئے تھے۔ اور کیا اس جرم میں تمہیں مارا پیٹا نہیں گیا تھا؟ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھا تھا۔"

اس بہتان پر کانگ بی جی سراپا احتجاج بن کر چیخ اٹھتا۔ اس کی پیشانی موٹی موٹی شکنوں سے بھر جاتی۔ "کتاب کی چوری، چوری نہیں کہلاتی۔ ایک اسکالر کے لئے ہرگز چوری نہیں ہے۔" اس کے بعد وہ کلاسک کا ایک محاورہ دہراتا۔ "ایک شریف آدمی، غربت میں بھی اپنی شرافت کو برقرار رکھتا ہے۔" یہ کہنے کے بعد وہ ایک بے محل محاورہ مزید جڑ دیتا۔ جس پر پورا بار دیوار قہقہہ بن جاتا۔

بار میں کانگ بی جی کے متعلق جو گفتگو ہوتی، اس سے مجھے پتہ چلا کہ وہ کلاسک کا طالب علم تھا۔ مگر امتحان میں کبھی کامیاب نہ ہو سکا۔ ذریعہ معاش کے لئے وہ کوئی راستہ منتخب نہ کر سکا۔ اس لئے وہ روز بروز غربت اور تنگ دستی کے دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ اور آخر نوبت بھیک مانگنے تک پہنچ گئی۔ خوش قسمتی سے وہ ایک اچھا خوش نویس تھا۔ نقل نویسی میں اسے اتنا مل جاتا کہ وہ اپنے لئے چاول کی شراب خرید لیتا۔ وہ کاہل اور بلانوش تھا۔ اکثر وہ کتاب، کاغذ، قلم اور روشنائی لے کر ہفتوں غائب ہو جاتا۔ اپنی اس عادت کی وجہ سے وہ اس قدر بدنام ہو گیا تھا کہ لوگ اسے کام دیتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اگر کہیں کام مل جاتا تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے۔ اپنی تمام خرابیوں کے باوجود وہ ہمارے شراب خانے کا ایک مثالی گاہک تھا۔ کیونکہ وہ شراب کی قیمت ادا کرنے میں کبھی ناکام نہ ہوا تھا۔ کبھی کبھی اس کے پاس پیسہ نہ ہوتا تو اس کا نام مقروضوں کے بورڈ پر کھریا سے لکھ دیا جاتا۔ لیکن وہ ایک ماہ کے اندر اندر اپنا قرض اتار دیتا۔ اور پھر بورڈ سے اس کا نام مٹا دیا جاتا تھا۔

کانگ بی جی شراب کا نصف پیالہ ختم کر لیتا تو اس کے زرد رخساروں کی گرماہٹ میں نرمی آ جاتی، اور چہرے کی کرختگی ختم ہونے لگتی۔ اتنے میں پھر کوئی چٹکی لیتا۔

"کانگ بی جی، کیا تم واقعی لکھ پڑھ سکتے ہو؟"

جب وہ اس کا جواب نہ دیتا تو پھر اس پر جملہ کس دیا جاتا۔

"آخر اس کی کیا وجہ تھی کہ تم نچلے درجے کا سرکاری امتحان بھی پاس نہ کر سکے۔ طنز و تشنیع کے چبھتے ہوئے جملے، اس کے دل میں نشتر کی طرح اتر جاتے۔ اس کے چہرے پر اذیت کے احساسات پھیلنے لگتے۔ اور وہ بے قابو ہو کر اپنے جواب میں غلط محاورہ استعمال کر ڈالتا۔ بس پھر کیا تھا، پورا بار بے ہنگم قہقہوں سے گونج اٹھتا تھا۔

ایسے موقعوں پر میں بھی اپنے باس کی ناراضگی کی پروا کئے بغیر قہقہوں میں شامل ہو جاتا تھا۔ وہ خود بھی اکثر کانگ بی جی سے ٹھٹھول کرتا تھا۔ کانگ بی جی بار کے دوسرے لوگوں سے گفتگو کرنا فضول سمجھتا تھا۔ مگر میرے جیسے نوجوان لڑکوں سے وہ اکثر بات چیت کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے پوچھا:

"کبھی تمہیں اسکول میں پڑھنے کا موقع ملا ہے؟"

جب میں نے اسے اثبات میں جواب دیا تو اس نے جھٹ کہا "پھر تو میں تمہارا امتحان لوں گا۔"

"آخر اس بھیک منگے نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ جو میرا امتحان لے گا۔" میں نے اسے نظر انداز کر کے منہ پھیر لیا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے بڑی عجلت میں کہا:

"تم نہیں لکھ سکتے۔ چلو میں تمہیں لکھ دیتا ہوں۔ اعداد کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھو۔ ممکن ہے کبھی تمہیں اپنا کاروبار کرنے کا موقع مل جائے — اس وقت حساب کتاب سے تمہیں بڑی مدد ملے گی۔"

اپنا کاروبار، اپنی دکان کھولنے کے احساس سے میرے پورے جسم میں برقی لہر دوڑ گئی۔ مگر ہنوز یہ خواب حقیقت سے بہت دور تھا۔ مجھے اس کی بات میں بڑا مزہ آیا۔ مگر نخوت سے جواب دیا۔ "میں تمہیں دکھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

کانگ بی جی کا چہرہ روشن ہو گیا اس نے اپنی لامبی لامبی دو انگلیوں سے میز کو بجاتے ہوئے کہا۔ "بالکل ٹھیک،" "ہوئی" کو چار مختلف طریقوں سے لکھا جاتا ہے۔ کیا تمہیں اس کا علم ہے؟"

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ کچھ جواب دیئے بغیر اس جگہ سے چلا گیا۔ کانگ بی جی کو میرے رویئے سے ملول ہو گیا اور خاموشی سے اپنی انگلی شراب میں ڈال کر گھمانے لگا۔ اس کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

کبھی کبھی قہقہوں کا شور سن کر اڑوس پڑوس کے بچے بھی جمع ہو جاتے تھے۔ اور کانگ بی جی کو گھیر کر مذاق اڑانے لگتے تھے۔ وہ انہیں اپنے ڈش سے گوشت کا ٹکڑا اٹھا اٹھا کر بچوں میں تقسیم کر دیتا۔ پھر بھی بچے اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہ لیتے۔ اور ان کی آنکھیں پلیٹ پر جمی رہتی تھیں۔ کانگ بی جی پریشان ہو جاتا اور پلیٹ میں گوشت کے بچے کھچے چند ٹکڑوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر کہتا۔ "اب پلیٹ میں کچھ نہیں بچا۔ یقین کرو، پلیٹ خالی ہو گیا۔ کچھ بھی تو نہیں بچا۔" بچے کانگ بی جی کی اس حرکت پر خوب ہنستے اور قہقہے لگاتے تھے۔

موسم خزاں شروع ہو چکا تھا۔ ایک دن میرا باس بیٹھا ہوا حساب کر رہا تھا۔ اچانک اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "کانگ بی جی مہینوں سے نظر نہیں آیا۔ اس کی طرف تو کوپرز نکلتے ہیں۔" باس نے یاد دلایا تو مجھے احساس ہوا کہ واقعی کانگ بی جی ایک لمبے عرصے سے غائب ہے۔

"بھئی وہ کیسے نظر آئے گا۔" ایک گاہک نے کہا۔ "آخری بار اس کی اتنی پٹائی ہوئی کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔"

"ایں — واقعی —" باس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"وہ پھر چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ اس بار بدقسمتی سے اس نے مسٹر ٹونگ پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"کیا ہوا۔" پہلے تحریری طور پر اس سے اعتراف کرایا گیا۔ اس کے بعد اس کی ٹھکائی کی گئی۔ یعنی رات بھر اسے مارا پیٹا گیا۔ اور آخر کار اس کی دونوں ٹانگیں بے کار ہو گئیں۔"

"پھر؟"

"پھر اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔"

"ہاں — اس کے بعد —؟"

"اس کے بعد — کون جانے اس کے بعد کیا ہوا۔ ممکن ہے مر چکا ہو۔"

باس نے اس کے بعد کوئی سوال نہ کیا۔ اور دوبارہ حساب کتاب کے رجسٹر پر جھک گیا۔

خزاں کا تہوار گذرتے ہی، موسم تبدیل ہونے لگا۔ ہوا میں خنکی بڑھنے لگی۔ اور پھر سردی کا موسم سر پر آن پہنچا۔ میں اپنا سارا وقت اسٹو کے قریب گذارتا۔ پھر بھی سردی محسوس ہوتی تھی۔ ایک دوپہر کو جب بار سنسان پڑا تھا اور میں اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے اونگھ رہا تھا تو اچانک آواز سنائی دی۔

"شراب کا ایک پیالہ گرم کر دو۔"

مدھم آواز جانی پہچانی محسوس ہوئی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا۔ بار کے دروازے کے قریب کانگ بی جی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ بے حال اور ٹوٹا پھوٹا نظر آ رہا تھا۔ اس کی صدری پھٹ گئی تھی۔ اس کی ٹانگوں میں چٹائی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر اپنا جملہ دہرایا۔

"شراب کا ایک پیالہ گرم کر دو۔" —

باس نے بھی کانگ بی جی کی آواز سن لی تھی۔ چنانچہ اس نے کاؤنٹر پر جھکتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

کالونی ملز میں کیا ہو رہا ہے ——؟

"هٰذا مِن فَضلِ رَبّی" کے تحت ہُن برس رہا ہے



الطاف حسین ملک

کالونی تھل ٹیکسٹائل ملز کو تھل ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے قائم کیا تھا۔ اس مل کی انتظامیہ زیادہ تر ریٹائرڈ فوجی افسروں پر مشتمل تھی۔ اور نوکر شاہی کے ان گماشتوں نے اس مل کو باپ کی جاگیر سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ جب انھوں نے سمجھا کہ اس سے مزید فائدہ اٹھانا محال ہے تو انہوں نے اس کو شیخ نصیر برادران کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جن کے پاس پہلے سے "اسماعیل آباد ملتان اور اسماعیل کوٹ نوشہرہ کی ٹیکسٹائل ملز بھی تھیں انہوں نے اس مل کا نام کالونی ٹیکسٹائل ملز اسماعیل پورہ بھکر رکھا تھا اس سے پہلے کی انتظامیہ نے مل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا تھا مگر اب جب ایک سرمایہ دار نے مل کا انتظام سنبھال لیا تو اس نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا کہ جس سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو سکے۔ اور اس طریقے سے مزدوروں پر سختیوں کا دور دورہ شروع ہوا۔ مزدوروں نے جوابی طور پر منظم ہونا شروع کر دیا۔ مزدوروں کو منظم کرنے میں جناب صالح محمد نیازی نے اہم کردار ادا کیا۔ اسی سلسلہ میں شہر سے کالونی کی طرف ایک جلوس نکالا گیا۔ جب جلوس مل گیٹ کے پاس پہنچا تو مالکان کے پالتو غنڈوں نے ہاکیوں اور ڈنڈوں سے جلوس پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں صالح محمد نیازی کے علاوہ کئی اور مزدور بری طرح زخمی ہو گئے۔ اس غنڈہ گردی کے خلاف احتجاج کے طور پر مزدوروں نے گیٹ پر ہڑتال کی۔ اس کے بعد نوکر شاہی نے مزدوروں کو جیل میں ڈال دیا۔ اس پر شہر کی رائے عامہ بھی خلاف ہو گئی۔

مالکان نے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک اور ذریعہ نکالا۔ یعنی کہ بھکر میں ایک کالج کا قیام، چونکہ بھکر میں کوئی نہ تھا لہٰذا اپنے باپ کے نام سے اسماعیل ٹرسٹ قائم کیا گیا۔ اور پھر اس ٹرسٹ کے توسط سے اسماعیل کالج بھکر قائم کیا گیا۔ تاکہ بھکر کے شہریوں کو رام کیا جا سکے۔ دوسری طرف سرمایہ دارانہ زعم میں آ کر کالج انتظامیہ کو ہدایت کی گئی کہ "ہمارے باپ اسماعیل کا فوٹو قائد اعظم رح اور علامہ اقبال کے فوٹو سے اوپر لائبریری میں لگایا جائے گا لیکن باشعور طالب علم اس پر بھڑک اٹھے۔ انہوں نے ہڑتال کر دی اور ساتھ ہی تصویر بھی پھاڑ دی۔ جب صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی تو کالج کا انتظام حکومت نے خود سنبھال لیا۔ لیکن مل مالک نے یونین فنڈ کے دس ہزار روپے دینے سے انکار کر دیا۔

اس پر طلبا نے ایک زبردست جلوس نکالا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگا دی گئی۔ لیکن طلبا نے مظاہرے جاری رکھے۔ اور تحریری طور پر قائم مقام پرنسپل جناب جی ایم ڈی مرزا کے توسط سے مل مالکان کو ۲۴ گھنٹے کا الٹی میٹم دے دیا کہ اگر رقم واپس نہ کی گئی تو مل کو نذر آتش کر دیا جائے گا۔ اس پر نوکر شاہی کے اعلیٰ حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور مصالحت کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی گئی۔ مگر طلبا نے ان کی کوئی بات سننے سے انکار کر دیا۔ جب سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرنے میں نوکر شاہی بھی ناکام ہو گئی تو دوسرے دن الٹی میٹم کا وقت پورا ہونے سے پیشتر ہی دس ہزار روپے کا چیک پرنسپل صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔ مگر نوکر شاہی کے ایک کارندے کی ۲۴ صفحات پر مشتمل شکایت پر بھکر کے طلبا کو ایک تنفیق اسناد سے محروم کر دیا گیا۔

مل کے مزدور جو مل مالکان اور نوکر شاہی کے غنڈوں کی ملی بھگت سے وقتی طور پر دب گئے تھے، انہوں نے انتظامیہ کے خلاف دوبارہ تحریک شروع کر دی۔ شہر کے طلبا نے انہیں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ انتظامیہ نے مزدوروں کی یک جہتی توڑنے کے لئے علاقائی منافرت کو اس قدر ہوا دی کہ مل کے مزدور علاقہ پرستی کے شکار ہو گئے۔ اور سرمایہ داری محنت کش برادری میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں ایک مزدور لال بہادر سرمایہ دارانہ نظام کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس پر فسادات پھیل گئے۔ اور اس طرح کئی اور جانیں تلف ہو گئیں۔ یہاں کے مزدوروں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے چپ سادھ لی۔

یہاں ایک ورکرز یونین بھی کافی عرصہ سے کام کر رہی ہے۔ یہ ایک پاکٹ یونین ہے لہٰذا اس کے عہدیداران کے سامنے ہر صورت میں مالکان کا مفاد ہوتا ہے۔ عہدیداران کو کام سے کھلی چھٹی ہے۔ اور هٰذا مِن فَضلِ رَبّی کے تحت بھی ان پر ہُن برستا ہے۔ ابھی کچھ دن ہی ہوتے ہیں جنرل سیکرٹری نے ایک نئی بس خریدی ہے۔ حالانکہ اس کی تنخواہ صرف ۲۵۰/- روپے ہے۔

مزدوروں کے علاج کے لئے یہاں ایک لمبا چوڑا عملہ بھی موجود ہے۔ لیکن دوائیاں ندارد۔ اگر دوائیاں کچھ ہیں بھی تو وہ افسروں کے لئے مخصوص ہیں۔ اور اگر کسی مزدور کو کوئی دوائی ملتی بھی ہے تو اس کو یونین کے عہدیداران سے رابطہ کرنے اور سفارش حاصل کرنے کے بعد چاہیے اس دوران مریض راہئ ملک عدم ہو جائے۔

یہاں کی یونین کے صدر نے ایک غریب مزدور کی بیوی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ لیکن یونین کے صدر کے سر پر مل کے مالکان کا ہاتھ ہے۔ اس لئے نوکر شاہی کے نام نہاد ملازمین بھی خاموش ہیں اور غریب مزدور انصاف طلب کرنے کے لئے لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کس در پہ دستک دے۔

۱۹۶۸ء کی عوامی تحریک میں یہاں کے مزدوروں کو خاموش رکھنے کے لئے مل مالک کے انگلینڈ پلٹ بیٹے نے ایک انوکھا رویہ اختیار کیا تھا۔ اس نے خود ہی مزدوروں کو جمع کر کے کہا کہ یہ مل آپ کی ملکیت ہے۔ آپ اسے تباہ کریں یا چلائیں میں آپ کے ہر فیصلے کا پابند ہوں گا۔ اور میں آپ کے فیصلے کے خلاف کبھی قانون کی مداخلت پسند نہ کروں گا۔ ساتھ ہی میں نے مزدوروں کی تفریح کے لئے باقاعدہ فلموں کا بندوبست کر دیا گیا۔ مزدور جو ہمیشہ سے اس فرسودہ نظام کی بھینٹ چڑھتا چلا آ رہا ہے، اس مرتبہ بھی دھوکا کھا گیا۔ اور وہ اس تحریک میں کوئی کردار ادا نہ کر سکا۔ اس پر آج بھی مزدوروں میں احساس شرمندگی پایا جاتا ہے۔

حالیہ انتخابات میں مل انتظامیہ نے بھی دوسرے سرمایہ داروں کی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف اپنا کام اور پروپیگنڈہ جاری رکھا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک کلرک اسماعیل کو اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔ جس نے اپنے سینے پر پاکستان پیپلز پارٹی کا بیج لگا رکھا تھا۔ بلکہ اسی ضمن میں ایک گروہ تیار کیا گیا جو پیپلز پارٹی کے حامی مزدوروں کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس گروہ کا سربراہ مودودی جماعت کا رکن ہے اور اپنی پیشہ ورانہ چمچہ گیری کی بنا پر قلی سے فولڈنگ ماسٹر بنا ہے۔ بعد میں انتظامیہ نے کھلے بندوں کنونشن لیگ کے امیدوار احمد نواز شہانی کا ساتھ دیا۔ اور مزدوروں پر بھی

انگلینڈ پلٹ صاحبزادہ
مزدوروں کا ہمدرد کیوں بنا؟

مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ بھی اسی کو ووٹ دیں۔ آج بھی ان مزدوروں کے ساتھ جنہوں نے پیپلز پارٹی کا ساتھ دیا تھا سختی برتی جاتی ہے۔ ابھی حال ہی میں مالکان نے مل کے ساتھ ہی ایک جننگ فیکٹری بھی بنائی اور مہنگائی کے اس دور میں صرف ۲ روپے روزانہ اجرت رکھی گئی۔ اس کے خلاف مزدوروں نے آواز اٹھائی تو تقریباً ۲۵ مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا۔ اور ملتان سے عورتیں کام کے لئے منگوا لی گئیں۔

مل کے مزدوروں پر یہ ظلم کافی عرصہ سے جاری ہے۔ لیکن نام نہاد وزارت محنت بھی اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ یہاں کے بے بس مزدوروں کی نظریں اس عوامی حکومت کی طرف لگی ہوئی ہیں پاکستان کا محنت کش طبقہ اب بھی اسی فریب میں مبتلا ہے کہ ملکی سطح پر رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے اس کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ مگر اس کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک وہ پاکستان کے دوسرے مزدوروں کے ساتھ متحد ہو کر اس نظام کے خلاف ایک فیصلہ کن جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑے نہیں ہوتے۔ انہیں اپنے آپ کو صرف چند مطالبات کے لئے نہیں بلکہ اس نظام کے یکسر خاتمہ کے لئے منظم کرنا ہوگا۔ ورنہ یہ ظلم بڑھتا رہے گا۔ اور مزدوروں کے خون سے اس دھرتی پر ہر روز نئی بلیں بنتی رہیں گی اور محنت کشوں کا استحصال جاری رہے گا۔

☆

کراچی

بہو بیٹیوں کی عزت سرِ عام لٹ رہی ہے

ملک کے مختلف حصوں سے محنت کشوں پر اجارہ دار سرمایہ داروں، نوکر شاہی اور جاگیرداروں کے مظالم کی خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ تشدد کے ہر طریقے سے مزدوروں کو مرعوب کیا جا رہا ہے۔ لاٹھیاں، آنسو گیس اور فائرنگ روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ بڑے پیمانے پر چھانٹی اور تالہ بندی کے مظاہرے ہو رہے ہیں آئے دن اخبارات ان مظالم کی خبروں سے سیاہ ہوتے ہیں۔ دوسری جانب زمین سے اناج اگانے والے ہلواہے وڈیروں کے جاگیردارانہ مظالم کا شکار ہیں زمینوں سے بیدخل کیا جا رہا ہے۔ وڈیروں کے پالے ہوئے غنڈوں کے ہاتھوں کسانوں کی بہو بیٹیوں کی عزتیں بر سرِ عام لُٹ رہی ہیں۔ اس پاک سرزمین میں یہ سب اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ملک کے پچانوے فی صدی محنت کشوں نے پانچ فی صد لٹیروں کی سیاست کو حالیہ انتخابات میں مسترد کر دیا تھا اور اپنے مسائل کے حل کی خاطر "زمین اس کی جو ہل چلائے" اور "مشین اس کی جو مشین کا پہیہ گھمائے" کا نعرہ بلند کرنے والوں کو اقتدار کے ایوانوں میں پہنچا دیا۔ یہ نئے رہنما محنت کشوں کی توقعات پر پورا اترتے ہیں یا نہیں یہ الگ بات ہے۔ انہوں نے تو اپنے مسائل کے حل کے لئے انقلابی نعرے بلند کرنے والوں کو اپنا سب کچھ سونپ دیا اور اسی جرم کی پاداش میں آج ملک کے پچانوے فی صد محنت کار اجارہ دار سرمایہ داروں، وڈیروں اور نوکر شاہی کے عتاب کا شکار ہیں اور انھیں لاٹھی، گولی، بیروزگاری اور بیدخلی جیسے بدترین مظالم کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ملک کے تمام محب وطن حلقے ان حالات پر خاموش نہیں ہیں ظلم کے خلاف یہ نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ الفتح کے صفحات ابتدا سے ہی ان افسوس ناک واقعات کی تفصیلات چھاپتے رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً مجرموں کی نشاندہی بھی ہوتی رہی ہے۔ انتخابات کے بعد سے محنت کشوں پر ظلم میں بے انتہا اضافہ اور شدت پیدا ہو گئی ہے۔ انصاف کو آوازیں دی جا رہی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر کب تک یہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔

جوائنٹ لیبر کونسل

پچھلے دنوں کراچی کے کرٹک ہال میں جوائنٹ لیبر کونسل کے زیر اہتمام مزدور انجمنوں کا ایک عام اجلاس منعقد ہوا تھا۔ مزدور نمائندوں نے محنت کشوں کی عام بے چینی اور سرمایہ داروں کی جانب سے لاقانونیت کے اندھا دھند مظاہروں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایک قرارداد منظور کی تھی جس کا متن ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

"یہ اجلاس قومی انتخابات کے بعد ڈیڑھ دو ماہ کے دوران عام ملکی حالات اور مزدوروں کے مسائل کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ استحصالی طبقوں نوکر شاہی اور چور بازاری کرنے والوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ عام اشیائے ضروریات کی گرانی بڑھتی جا رہی ہے۔ بڑے پیمانے پر مزدوروں کو برطرف کیا جا رہا ہے۔ صنعتی اداروں خصوصاً کاٹن ٹیکسٹائلز اور سلک ملوں میں تالہ بندیاں کر کے من مانی شرائط ملازمت اور کم اجرتوں پر نئی بھرتیاں کی جا رہی ہیں جنھیں کبھی مستقل نہیں کیا جاتا۔ محنت کشوں سے کئے گئے معاہدوں اور مزدور قوانین کی کھلے عام دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں اور عمال حکومت خاموش تماشائی بنے ہوتے ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ داروں کی پشت پناہی کے لئے لیبر ڈپارٹمنٹ کی ناکارہ مشنری پر کثیر رقوم خرچ کی جا رہی ہیں لیکن لیبر کورٹوں کی طرف جن کا صنعتی تعلقات آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۹ء کے تحت دائرہ اختیار نہایت وسیع کیا گیا ہے، کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ ان کورٹوں کے چیئرمینوں کو بار بار تبدیل کیا جاتا ہے کبھی کبھی ماہ تک نئے چیئرمین کا تقرر نہیں کیا جاتا۔ مقدمات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر لیبر کورٹوں کی تعداد میں فوری اضافہ ناگزیر ہے۔"

ولیکا ملز

قرارداد میں ولیکا ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں پر آنسو گیس، لاٹھی چارج اور فائرنگ کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ گذشتہ سال ولیکا ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں اور مالکان کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا تھا جسے قانونی معاہدے کی حیثیت حاصل ہے لیکن ولیکا نے اس معاہدے پر بھی عمل نہیں کیا اور بدستور اپنے پچھلے بائیس سالہ بدترین استحصال کی بہیمانہ روش پر کاربند رہا۔ اور جب مزدوروں نے مظالم اور دھاندلیوں کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار اور انصاف کے حصول کے لئے عملی اقدام کیا تو بجائے اس کے کہ کراچی کے نوکر شاہی انتظامیہ اور پولیس ٹیکسٹائل ملز کے مالکان کے خلاف قانونی معاہدے پر عمل درآمد نہ کرنے کے جرم میں کاروائی کرتی اور مزدوروں کی مشکلات کو دور کیا جاتا اس کے برعکس مزدوروں کو ہی مجرم گردانا گیا اور ان پر آزادانہ آنسو گیس اور فائرنگ کی گئی اور لاتعداد مزدوروں کو گرفتار کیا گیا یہ اقدامات سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ کا کھلا ثبوت ہیں۔

اجلاس میں ان واقعات کی روشنی میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا کہ ملک کے مزدوروں کو ظالم اور غاصب اجارہ دار سرمایہ داروں کی مزدور دشمنی کارروائیوں، تالہ بندیوں، برطرفیوں اور کھلی لاقانونیت سے نجات دلائی جائے۔ اشیائے ضروریات کی قیمتوں میں اضافہ کے ذریعے محنت کشوں کی زندگی اجیرن بنانے والوں کا فوری محاسبہ کیا جائے اور انھیں عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ مزدور قوانین کو مزدور مفاد کے مطابق تبدیل کر کے موثر بنایا جائے۔ گرفتار شدہ مزدوروں کو فوراً رہا کیا جائے اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے مالکان اور اجارہ دار سرمایہ داروں خصوصاً ولیکا ملز، ملیشنل اینٹنگ ملز، نور سلک ملز، سیکیوریٹی پیپرز، داؤد کاٹن ملز اور اسی قماش کے دیگر مالکان کو فوراً گرفتار کیا جائے اور سخت سزائیں دی جائیں۔

اجلاس میں مزدوروں کے خلاف سازشیں اور انتقامی کارروائیاں کرنے والے سرکاری افسران کی شدید مذمت کی گئی اور ان کے خلاف عدالتی تحقیق کا مطالبہ کیا گیا۔

حیدرآباد

ولیکا کی بربریت شرمناک ہے

انڈس گیس ایمپلائز یونین حیدرآباد کی جنرل باڈی کے ایک ہنگامی اجلاس میں ولیکا ملز کراچی کے مزدوروں کے ساتھ کراچی کی انتظامیہ اور پولیس کے وحشت ناک، انسانیت سوز رویے اور بربریت کے سلوک کی سخت مذمت کی گئی۔ اس جلسے میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ ولیکا ملز کا حالیہ المیہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سرمایہ داروں، نوکر شاہی اور سامراج کے گٹھ جوڑ کی موجودگی میں ملک کے کسی قانون، کسی آئین اور کسی معاہدہ پر عمل درآمد ممکن نہیں رہا یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک سال پیشتر ولیکا ملز کی انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ولیکا ملز کی انتظامیہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ مزدور درخواستیں پیش کرتے رہے لیکن مقامی حکام نے کوئی شنوائی نہ

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیے

کراچی سے ڈھاکہ

بعض دوستوں کا خیال ہے "کراچی سے ڈھاکہ" کا سلسلہ موجودہ حالات میں بے مقصد معلوم ہو رہا ہے۔ اور مجیب بھٹو مذاکرات آج کے کنفوٹیشن میں کچھ مضحکہ خیز لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس سلسلے کو ختم کر دینا بہتر ہے۔ میں نے بھی آج کے حالات میں کل کی ان باتوں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے یہ تمام واقعات تاریخ کے ناگزیر حصے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی کو سطحی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کے مفادات اور حقوق پر یقین رکھتے ہیں انہیں کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ وطن کے اتحاد اور سلامتی کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ بحرانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ "کراچی سے ڈھاکہ" کا سفر بھٹو اور اس کے ساتھیوں کا سفر نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان کی شاہراہ پر اتحاد و سلامتی کی تلاش کا ایک سفر ہے۔ جو ملک کے ایک حصے نے دوسرے حصے کی طرف کیا۔ ایسی جد و جہد کے نتائج فوری طور پر آج تک برآمد نہیں ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نتائج ابھر کر سامنے آئیں گے

"نا بک" لانچ ایک پاکستان کا تصور پیش کر رہی تھی

محمود شام

پانچ بجے

وھان منڈی میں پھر وہی ہجوم تھا۔

بھٹو مجیب اندر گفتگو میں مصروف تھے۔ باہر ڈاکٹر مبشر حسن۔ ڈھاکے کے صحافیوں سے ہیلی کاپٹر سے طوفان زدہ علاقوں کے دورے کی بات چیت کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان کے صحافی بھائی اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہے تھے انہیں اس میں کوئی زیادہ اہم بات محسوس نہیں ہو رہی تھی ذوالفقار علی بھٹو نے طوفان زدہ علاقوں میں مشرقی پاکستانیوں سے بات چیت کی۔ باہر لوگ صبح کی ماہرین کی گفتگو کے بارے میں اظہار خیال کر رہے تھے۔ پتہ یہ چلا کہ صبح کے مذاکرات میں بڑا شدید تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کا اثر آج کی گفتگو پر ہو۔

آج کی گفتگو خلاف توقع جلد ختم ہو گئی ہے۔ چھ بج کر سات منٹ پر یہ لیڈر باہر نکل آتے ہیں۔ دونوں کے چہرے اترے ہوتے ہیں۔ آج باوجود کوشش کے وہ پولیس کے لئے بھی مسکرا نہیں سکے۔ آج اخبار نویسوں سے زیادہ بات بھٹو صاحب کر رہے ہیں کہ آپ کوئی غلط نتائج نکالنے کی کوشش نہ کریں۔ ہمیں ملک کی سلامتی کے متعلق پُر امید رہنا چاہیئے۔ میں اب واپس جا کر اپنی پارٹی کے لیڈروں سے بات چیت کروں گا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ ہمارا کام بہت مشکل ہے۔ پھر بھی امید ہے کہ ہم حل تلاش کر لیں گے۔

مجیب صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ "ہم کل نہیں مل رہے ہیں۔" لوگوں کا ہجوم زیادہ ہے۔ بھٹو صاحب کو گاڑی تک جانے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ مجیب صاحب سخت غصے میں ہیں۔ ان کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔ وہ اپنے کارکنوں کو ڈانٹتے ہوئے راستہ بنا رہے ہیں۔ بھٹو صاحب چلے جاتے ہیں تو مجیب صاحب اخبار والوں کو پھر گھیر کر اپنے ڈرائنگ روم میں لے جاتے ہیں اور واضح طور پر بتاتے ہیں کہ ہماری پارٹی چھ نکات کی پابند ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۱۵ فروری کو بلایا جاتے۔ منتخب ممبروں کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد آئین بنائیں۔ عوامی لیگ کو صرف مشرقی پاکستان میں نہیں پورے پاکستان میں اکثریت حاصل ہے۔ عوامی لیگ صرف بھٹو سے مفاہمت کے لئے نہیں بلکہ سرحد اور بلوچستان کے نمائندوں سے بھی ملنے کی بیتاب ہے۔ جب بھی ممکن ہو گا دوسرے گروپ لیڈروں سے بھی ملاقات کروں گا۔ جنہیں ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ویسے ہم اکیلے بھی آئین بنا سکتے ہیں۔"

مجیب صاحب اخبار نویسوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں ان کے کمرے میں لگی ہوئی تصاویر دیکھ رہا ہوں۔ ایک تصویر میں مجیب الرحمان چیئرمین ماؤزے تنگ سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خانہ کعبہ کی تصویر ہے۔ ایک طرف ٹیگور ہیں۔ نذر الاسلام ہیں۔ فضل الحق ہیں۔ ایک طرف شیخ مجیب الرحمن پلٹن میدان میں ایک بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کر رہے ہیں۔ ہم باہر نکل آتے ہیں۔ اخبار والے بھٹو صاحب کی تلاش میں انٹر کانٹی نینٹل پہنچے ہیں۔ وہ مجیب صاحب کی پریس کانفرنس پر بھٹو صاحب کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بھٹو صاحب کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ وہ شاید گورنر احسن سے بات کرنے گئے ہیں طوفان زدہ علاقوں میں انھوں نے متاثرہ لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی مشکلات سے گورنر کو آگاہ کریں گے۔

اگلے روز لانچ کا سفر ہے۔ یہ تفریحی سفر ہے۔ جس کا انتظام پیپلز پارٹی کے وفد کے لئے کیا ہے۔ شیخ صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ صبح کے دس بج رہے ہیں۔ آج ہماری نیلی موٹا نہیں آئی ہے۔ اس لئے ہمیں دوسروں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ آج کے سفر میں پریس والوں کو نہیں بلایا گیا۔ اس لئے ہمارے میزبان عوامی لیگ والے مجھے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ قاسم پٹیل صاحب کے ایک مشرقی پاکستانی دوست اپنی گاڑی میں مجھے لے کر چلتے ہیں۔ قافلہ جا چکا ہے ہم صدر گھاٹ پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے لانچ جا چکی ہے مگر



آج دونوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے

اس تاحلے کو نرائن گنج کے گھاٹ سے لانچ پر سوار ہونا ہے۔ نواب پور روڈ پر اس وقت ٹریفک کا انتہائی رش ہے۔ ہم انچ انچ سرکتے بڑھ رہے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ لانچ اس وقت تک جا چکی ہوگی۔ لیکن صرف دو منٹ پہلے ہم نے لانچ کو جالیا۔ شیخ صاحب کے پرس سیکرٹری بادشاہ حسین مجھے دیکھتے ہی بھڑ بولے "پریس نہیں جائے گا"۔ بھٹو صاحب جو شیخ صاحب کے ساتھ کھڑے تھے، انھوں نے دیکھ لیا۔ انھوں نے کہا "یہ میرے ساتھ ہیں"۔ اس سفارش پر مجھے اندر جانے کا "پاسپورٹ" مل گیا۔ لانچ پر مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے ممتاز رہنما، پارلیمانی کمیٹی اور کئی ارکان اسمبلی تھے۔ دریائے میگھنا کی لہریں اس لانچ کو لئے چل رہی تھیں۔ یہ لانچ "نایک" اس وقت پاکستان کا مستقبل اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھی۔ ملک کے دو حصوں کے تمام اہم رہنماؤں کو یوں مل بیٹھنے اور بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور سب مل جل کر آئینی مسائل پر بات کر رہے تھے۔ شیخ مجیب الرحمان پیپلز پارٹی کے لیڈروں میں گھرے بیٹھے ہیں۔ بھٹو صاحب عوامی لیگی رہنماؤں میں گھرے ہیں۔ یہاں عوامی لیگ کے تینوں گروپ نظر آرہے ہیں اور اپنے اپنے مزاج کے لوگوں سے مل رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے ایک دانشور نے پیپلز پارٹی کے ایک لیڈر سے پوچھا کہ آپ مجیب صاحب کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ انھوں نے جو جواب دیا وہ اس دانشور کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ انھوں نے کہا "امریکی ایجنٹ" اس کے بعد اس دانشور کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ رہا۔ اس لانچ پر گفتگو سنتے ہوئے ہمیں یہ بھی احساس ہوا کہ اسمبلی کے طریق کار کے اعتبار سے پیپلز پارٹی کے پاس سے زیادہ اچھا بولنے والا پارلیمنٹیرین موجود ہیں۔ عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی میں سے اکثر چھ نکات کے بارے میں جذباتی تو بہت ہیں، لیکن ان کے مضمرات پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں کر سکتے۔ نایک "ایک پاکستان" کا تصور پیش کر رہا ہے۔ دریائے میگھنا کی لہروں پر نایک آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ منشی گنج کے قریب آس پاس سے گزرتی کشتیاں لانچ کے قریب آتی ہیں اور بھٹو مجیب زندہ باد کے نعرے بلند کرتی ہیں۔ مشرقی پاکستان کے یہ مظلوم عوام بھٹو مجیب کو ایک دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اس خواہش کا اظہار ہے کہ یہ دونوں رہنما کسی ایک سمجھوتے پہ پہنچ جائیں اور اقتدار عوام کو منتقل ہو جائے۔ بگڑتی ہوئی اقتصادی صورت حال درست ہو۔ میر علی احمد تالپور لانچ کی چھت پر کھڑے مشرقی پاکستان کے حسن سے متاثر ہو رہے ہیں۔ طارق عزیز اداس ہیں۔ معراج محمد خان لوگوں سے مل رہے ہیں۔ عبدالحفیظ پیرزادہ ڈاکٹر کمال حسین سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ کچھ لوگ الطاف رانا سے تصویریں کھنچوانے میں مصروف ہیں۔ قاسم پٹیل۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے ہاشمی صاحب۔ عوامی لیگ کے سیکریٹری جنرل قمر الزماں سے بات چیت کر رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے اسٹوڈنٹ لیڈر طفیل احمد، معراج محمد خان سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ لانچ کی تین منزلیں ہیں۔ تینوں منزلوں پر مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کا یہ سفر بڑا نازک ہے۔ دریا کی لہروں پر انحصار ہے۔ لہریں اسی رفتار پر رہیں تو شاید سفر مکمل ہو جائے ورنہ یہ دریا بہت گہرا ہے۔ سازشیں بھی ہو رہی ہیں۔

لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔ دریا کی ٹھنڈی ہوا میں بریانی، مرغ، گوشت ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مغربی پاکستان والوں نے بہت کم کھایا ہے۔ اسی اثنا میں ایک دلہن کی طرح سجی ہوئی لانچ ہماری لانچ کے ساتھ آملی ہے۔ سنا ہے یہ سرکاری لانچ ہے۔ شیخ صاحب اور بھٹو صاحب اس لانچ میں منتقل ہو گئے ہیں۔ ۲ بج رہے ہیں۔ لانچ قریب آکر دور چلی گئی ہے۔ مجیب صاحب اپنے دو باڈی گارڈوں کے ساتھ گئے ہیں۔ بھٹو صاحب اکیلے گئے ہیں۔ لانچ آگے چلی جاتی ہے۔ کبھی قریب آجاتی ہے۔ نایک لانچ پر بیٹھے سب لوگوں کی نظریں اس لانچ پر لگی ہیں۔

ضیاء محی الدین کے سینے میں فنکار کا دل نہیں

وسیم احمد نسیم

فنکار کی عظمت کو غریبی سے تولنے والے شاید یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اس وجہ سے ان کی عظمت میں اور ساتھ ہی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ غربت کا حقیقی درد اپنے سینوں میں رکھنے والے اسے اور بھی زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن اگر کسی غریب فنکار کو صحیح مقام نہیں ملتا تو وہ آنکھیں فریاد بن جاتی ہیں۔ اس وقت اس سراسر ناانصافی پر کوئی خاموش نہیں رہ سکتا۔

گذشتہ روز کراچی ٹیلیویژن پر ضیاء محی الدین شو دیکھنے کے بعد فن پر حقیقی نظر رکھنے والی ہر چشم اشک بار ہے۔ ضیاء صاحب آئے دن ناظرین کو ملکی اور غیر ملکی اونچی اونچی شخصیات سے ملاقات کراتے رہتے ہیں، جن کی بلندی کو کوئی غریب چھو تک نہیں سکتا۔ خیر ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ آیا وہ کس طرح اتنی بلندی پر پہنچ گئے۔ بلکہ بات تو یہ کہنی ہے کہ ایک غریب فنکار صرف اس لئے صوفے پر نہ بیٹھ سکا کہ اس کے کپڑوں کی گرد سے ان بڑے فنکاروں کے قیمتی لباس خراب ہو جاتے جو اپنے فن کی مورت پر سونے کا پانی چڑھا کر ہر محفل میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بے چارہ تراب علی تو اپنے فن کی لاش کو غربت کے کفن میں لپیٹ کر آیا تھا۔ اس کی وہاں کیسے عزت ہوتی جہاں کی آنکھیں سونے کی چمک دمک دیکھنے اور کان روپوں کی جھنکار سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔

تراب علی مشہور لیکن فٹ بال کا بدقسمت کھلاڑی، تقدیر کے ہاتھوں تباہ ہونے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور بن گیا ہے۔ پورے نو سال تک وطن کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے کھیل کو ساری دنیا سراہتی رہی لیکن ہم اسے کچھ بھی نہیں دے سکے۔ سوائے اس کے کہ ماضی کی چند خوش گوار یادیں۔ جن کے سہارے وہ ٹیکسی چلا کر اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔

ہاں — تو ضیا صاحب نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو بھی پروگرام میں شرکت کے لئے بلایا تھا۔ تاکہ نامحرومی کے احساس کی نمائش وہ پروگرام کے لاکھوں ناظرین کے سامنے کر سکے۔ تراب علی سب سے آخر میں آئے تھے۔ اور سب سے پہلے چلے گئے۔ جاتے ہوئے تراب علی کے قدم فن کی اس ناقابلِ برداشت توہین پر لڑکھڑاتے رہے لیکن اس لڑکھڑاہٹ کو مغرب کی روشنی سے بھرپور وہ آنکھیں نہ دیکھ سکیں جو ہمیشہ سے انسان کی عظمت کو دولت سے پرکھتی ہیں۔ ضیاء محی الدین نے ایک فنکار کی دل شکنی کر کے فن کی لاش پہ دولت کا مزار بنایا اور اس پہ پھول چڑھانے کے لئے جو ہاتھ آگے بڑھے وہ بھی ایک فنکار کے ہی تھے۔ فن کا محل فنکار کے ہاتھوں تباہ ہو گیا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ضیاء محی الدین بذاتِ خود ایک فنکار ہونے ہوئے بھی اپنے سینے میں فن کار کا دل نہیں رکھتے ورنہ اپنے کہے ہوئے چند اشعار کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرنے میں انھیں ضرور عذر ہوتا —

ظلم کے خلاف آواز اٹھانا جرم ہے تو ہم یہ جرم کرتے رہیں گے

نازش قریشی

جامعہ میں داخلہ لینے کے بعد زندگی میں پہلی دفعہ ہم پہ یہ انکشاف ہوا کہ ہم جو آج تک محنت کشوں کے استحصال اور عوام کی حالتِ زار پہ کُڑھتے آئے ہیں تو یہ بہت بڑا کفر ہے اور اگر ہمیں اپنی عاقبت عزیز ہے تو ہمیں فوراً اس کفر سے توبہ کر لینی چاہیئے۔ اور جب ہم توبہ کرنے پر کسی صورت تیار نہ ہوئے تو ہمیں "کافر" کا خطاب مل گیا..... خیر ہم پہ جو گزری وہ ایک الگ داستان ہے۔ ان سطور میں تو ہم ان اسباب کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو این۔ ایس۔ ایف کے طلبہ کو شیخ الجامعہ کو جانبدار قرار دینے اور ان سے استعفیٰ طلب کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ شیخ الجامعہ کے علاوہ جامعہ میں اور بھی بہت سے اساتذہ ہیں جو اسلامی جمعیت طلباء کی جائز و ناجائز حمایت کر کے اپنی عاقبت اور جامعہ میں اپنی دنیا سنوارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

اس وقت ہمیں شعبۂ سیاسیات کے وہ اساتذہ یاد آ رہے ہیں جنہوں نے گزشتہ سال انتخابات کے دوران میں ایک طالبہ کو این ایس ایف کے امیدوار کا بیج لگائے دیکھا تو اسے اپنے آفس میں بلا کر کہا: "بی بی! یہ تم نے کس کا بیج لگا رکھا ہے؟ تمہیں پتہ نہیں کہ یہ لوگ کافر ہیں۔" اس طالبہ نے جب ہمیں یہ بات بتائی تو ہم یہ سوچ کر رہ گئے ع

کس کوچۂ طفلاں میں چلے آئے ہو شاعر

شعبۂ سیاسیات کی لیکچرر آنسہ سعدیہ صدیقی جو اپنی اسلام پسندی اور جمعیت پرستی کے سلسلے میں خاصی مشہور ہیں، انہوں نے خود ایک دفعہ ہمارے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ اسلامی جمعیت طلباء کو پسند نہیں کرتیں لیکن صرف مصلحتاً اس کا ساتھ دیتی ہیں...... ان کی مصلحتیں تو وہ خود بہتر جانتی ہوں گی لیکن اتنا تو ہم نے بھی دیکھا کہ ان کی چھوٹی بہن کو جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے کے فوراً بعد شعبۂ تصنیف و تالیف میں نوکری مل گئی اور اس کے ساتھ ہی انہیں جماعت کے ایک اخبار میں کام بھی مل گیا۔

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ ذکر تھا شیخ الجامعہ کا۔ تو، اکثر لوگ اس بات پر برہم نظر آتے ہیں کہ این۔ ایس۔ ایف سے تعلق رکھنے والے طلبہ شیخ الجامعہ سے استعفیٰ کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں۔ شیخ الجامعہ کی علمی قابلیت اور نرم گوئی کے ہم معترف ہیں لیکن ہم شیخ الجامعہ سے یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ انہوں نے این۔ ایس۔ ایف کے طالب علم رہنماؤں پہ جامعہ کے دروازے کیوں بند کر دیئے تھے۔ معراج محمد اور آغا مسعود حسین کو کس جرم کی پاداش میں جامعہ میں داخلہ نہیں دیا گیا تھا؟ این۔ ایس۔ ایف کے طلبہ کے مستقبل کی تباہی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ طلبہ کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بھجوانے کا فرض کس نے انجام دیا تھا؟ جمعیتِ طلبہ کے غنڈوں کی سرپرستی کون کرتا ہے؟ مودودی جماعت کی سفارش پر اسکالرشپ پر امریکہ بھجوانے کا بندوبست کس کے ذمے ہے؟

گزشتہ سال کانووکیشن کے موقع پر اسلامی جمعیتِ طلبہ کے بلوائے ہوئے غنڈے آپ کے شاگردوں کے سر پھوڑ گئے لیکن آپ کے کان پر جوں نہ رینگی۔ ان طالب علموں کا یہی قصور تھا کہ وہ ملک میں پائی جانے والی بے روزگاری کے خلاف پُرامن مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔

شیخ الجامعہ صاحب اگر ظلم اور استحصال کے خلاف آواز اٹھانا جرم ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ ہم یہ جرم ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ اگر صداقت پہ یقین رکھنا کفر ہے تو ہمیں تسلیم ہے کہ ہم کافر ہیں اور ایسے مجرم اور کافر ہونے پر ہمیں بجا طور پر فخر بھی ہے۔

ہم لوگ اس خوبصورت اور البیلی جامعہ کے طالب علم ہی نہیں اس بدحال معاشرے کے فرد بھی ہیں جس کی گندگی میں ہمارے جسم و جاں صدیوں سے سڑ رہے ہیں۔ ہمیں اس معاشرے کو تبدیل کرنا ہے جس میں سسکتے ہوئے انسانوں کے پاس مفلسی کے سوا کوئی متاع نہیں ہے۔ آپ اور اسلامی جمعیت طلبہ ہم لوگوں کو اس جرم میں شرپسند اور ہنگامہ پسند کہیں یا کچھ اور..... ہم جب تک اس معاشرہ سے سامراج کی پھیلائی ہوئی تاریکیاں دور نہیں کر لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ آپ ہمیں اس جرم کی جو سزا چاہے دے لیں ۔۔۔ لیکن وہ دن دور نہیں جب سماج کے یہ اونچے نیچے طبقات ہمارے عزم کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔

ادب کو سیاست سے جدا نہیں کیا جا سکتا

ترتیب: نقاش کاظمی

اسٹوڈنٹس رائٹرز گلڈ روشن خیال اور انقلابی ذہن رکھنے والے طلبہ کی ایک انجمن ہے جس کی شاخیں ملک کے مختلف شہروں میں قائم ہیں گلڈ کے ممبران طلبہ اور ادیب اس قول سے متفق ہیں کہ ادب اور سیاست علٰحدہ علٰحدہ چیزیں نہیں ہیں جب کہ ایسی تخلیقات میں "فن" اپنی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہو۔ گلڈ نے اس سال کراچی میں پندرہ روزہ ادبی تنقیدی اجلاس کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اب تک اس کے تین اہم اجلاس ہو چکے ہیں جن میں نوجوان ادیب اور انقلابی فکر رکھنے والے طلبہ اور نوجوان شریک ہو چکے ہیں۔ نقاش کاظمی، نعیم آروی اور شاہد حسین بخاری ان نشستوں کی صدارت کر چکے ہیں جبکہ نقاش کاظمی، تنویر واسطی، یاسمین حسن، احمد ظفر قریشی، ذاکر نسیم اور وفا کانپوری نظمیں اور مضامین تنقید کے لئے پیش کر چکے ہیں ۔۔۔ یہ نشستیں اتوار کے دن نبی باغ کالج کراچی میں منعقد ہوتی ہیں۔



جسمانی معذوری اُن کے عزائم کے سامنے مات کھا گئی

نمائندہ الفتح

جون کا مہینہ تھا۔ گرمی اپنے شباب پر تھی۔ جامعہ کی بیرکیوں میں ایک شخص بس اسٹاپ پر دھوپ میں کھڑا تھا لیکن اس کی دونوں بغلوں میں بیسا کھیاں دبی ہوئی تھیں اور وہ کورنگی جانے والی بس کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اس نوجوان کو لائبریری کے پرکیف اور ہوادار سایہ میں کھڑا دیر تک دیکھتا رہا۔ کبھی میں اس کی خمیدہ کمر کو دیکھتا جس میں ضعیفی کا احساس موجزن تھا تو کبھی اس کے ہاتھوں میں دبی ہوئی موٹی موٹی کتابوں پر غور کرتا جو کہ اس کے عزم اور ہمت کی داستان سنا رہی تھیں مجھ سے رہا نہ گیا اور میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس نوجوان کے قریب آ گیا۔

میں نے پوچھا: "کیا آپ یہاں طالب علم ہیں؟" اس نے بڑے انداز سے چہرے پر لگی ہوئی عینک پر انگلی رکھتے ہوئے جواب دیا: "جی ہاں!" ۔ میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ دیکھا کیا، اس کی صورت ایک کھلی کتاب تھی جس میں اس کی ہمت اور حوصلے کو آسانی سے پڑھا جا سکتا تھا اور اس کے دبے ہوئے احساسِ کرب کو محسوس کیا جا سکتا تھا۔ فوراً ہی میں نے اس سے سوال کیا: "کس شعبہ میں ہیں آپ؟" ۔ "میتھس" اس نے مختصر سا جواب دیا۔ پھر اس نے مجھے متعدد سوالوں کے جواب میں بتایا کہ وہ کورنگی میں رہتا ہے اور بی۔ اے تک کے طلباء و طالبات کو پڑھاتا ہے۔ پڑھاتا ہی نہیں بلکہ درس بھی دیتا ہے۔ انقلاب کا سبق بھی پڑھاتا ہے اور اپنی دونوں ٹانگیں بیکار ہو جانے کے باوجود جدوجہد کا راستہ دکھلاتا ہے۔ فلسفہ اور معاشیات اس کے پسندیدہ مضامین ہیں۔ ادب سے بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ ریاضی کو ایم۔ اے کے لئے منتخب کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ریاضی کے شعبہ میں سیڑھیاں نہیں چڑھنا پڑتیں۔ کورنگی اور لانڈھی کی اہم سیاسی اور نظریاتی شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے اور حیدر آباد ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سندھ یونیورسٹی سے ریاضی، طبعیات اور انگریزی میں میٹرک پاس کیا۔ تحریری اور تقریری مقابلوں میں حصہ لیتے رہے اور انعامات پاتے رہے۔

۱۹۶۰ء میں جامن کے درخت سے گر پڑے تھے جس سے نچلا دھڑ بالکل بے کار ہو گیا۔ اس کے باوجود اپنے عزم و ارادہ میں کوئی تبدیلی نہیں لائے اور تعلیم جاری رکھنے کے شوق میں دیوانہ وار علم و آگہی کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ان تمام مصائب کے باوجود ہر کلاس میں امتیازی حیثیت سے پاس ہوتے رہے ہیں۔

امریکیوں سے بیگم نصرت بھٹو کی نفرت

ضیا نے بیگم بھٹو کو کچہری کے چپراسی کی طرح آواز دیکر بلایا



ناظر

پاکستان میں ٹیلی ویژن ایوب خاں، خواجہ شہاب الدین اور ان کے حواریوں کی ایجاد ہے جس کا مقصد ایک طرف تو یہ تھا کہ قوم کو اصل مسائل سے ہٹا کر ناچ گانوں، ڈراموں سستی امریکی جاسوسی فلموں اور تیسرے درجہ کے آرٹسٹوں کے پروگراموں میں مشغول کر کے اس کی صلاحیتوں اور شعور کو تھپک تھپک کر سلا دیا جائے۔ اور دوسری طرف امریکی اسلام کو پاکستانی مسلمانوں کی زندگی کا جزو بنا دیا جائے۔ اور اس کے پس پردہ ایک بورژوائی طرز فکر کو پاکستانیوں کے ذہنوں میں اس طرح پیوست کر دیا جائے کہ وہ ایک ترقی یافتہ قوم کی حیثیت سے اپنے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرنے کے احساس ہی سے محروم ہو جائیں۔ بھوک اور افلاس کی ماری قوم ٹیلی ویژن جیسے تعیش کی متحمل ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یہ نہ ایوب خاں نے سوچا نہ خواجہ شہاب الدین نے اور نہ امریکی جماعت اسلامی کے امیر زادے شبیر علی نے۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو ایک منظم سازش کے تحت عیاشیوں میں اس طرح غرق کر دیا جائے کہ اس میں طبقاتی شعور ہی بیدار نہ ہونے پائے۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ پاکستان کے غریب عوام کو روٹی، روزگار کے مسائل سے نمٹتے ہوئے اتنی مہلت اور فرصت ہی کب ملتی ہے۔ اور انہیں یہ استطاعت ہی کب حاصل ہے کہ وہ ایک ٹیلی ویژن سیٹ کی خریداری کا بوجھ اٹھا کر اپنے بیوی بچوں کو مہینوں کے لئے روٹی سے محروم کر دیں۔ ٹیلی ویژن کی لعنت تو نودولتئے پاکستانیوں کے لئے، مفلوک الحال متوسط طبقے کے لئے اور سرمایہ دار طبقہ کی ناک اونچی رکھنے اور اس کے معیار زندگی کی اونچائی ناپنے کے لئے مسلط کی گئی تھی۔ سو وہ اب تک مسلط چلی آتی ہے اور اس کے پروگراموں سے وہی طبقہ فیض اٹھاتا ہے جس کے پاس کھانے پینے اور پھینکنے لنڈھانے کے لئے پہلے ہی بہت کچھ ہے۔

غریب اور با صلاحیت فن کاروں کے لئے ٹی وی کے دروازے بند ہیں۔ حبیب ولی محمد جیسے فن کاروں - ریڈیو پاکستان کے سرکاری ملازموں لوٹے بدھنے والے مولویوں اور ڈاکٹر منظور احمد جیسے امریکی اسلام کے پرچارک شبیر علی مارکہ پروفیسروں اور نام نہاد دانشوروں، کھاتے پیتے گھرانوں کی فیشن ایبل دوشیزاؤں اور ٹیڈی لڑکوں کے لئے ٹی وی کے دروازے ہمہ وقت کھلے ہیں۔ طارق عزیز جیسا فن کار ان پروگراموں میں حصہ نہیں لے سکتا، جس نے لاہور اور کراچی ٹیلی ویژن کی بنیادیں رکھی تھیں۔ مولانا کوثر نیازی ٹی وی سے تقریریں نہیں کر سکتے کہ وہ پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں شبیر علی کے عتاب کا نشانہ بنے تھے۔ مگر اس کے غائب ہو جانے کے باوجود ان دونوں کے لئے ٹی وی کے دروازے ابھی تک نہیں

ضیا محی الدین شو کے

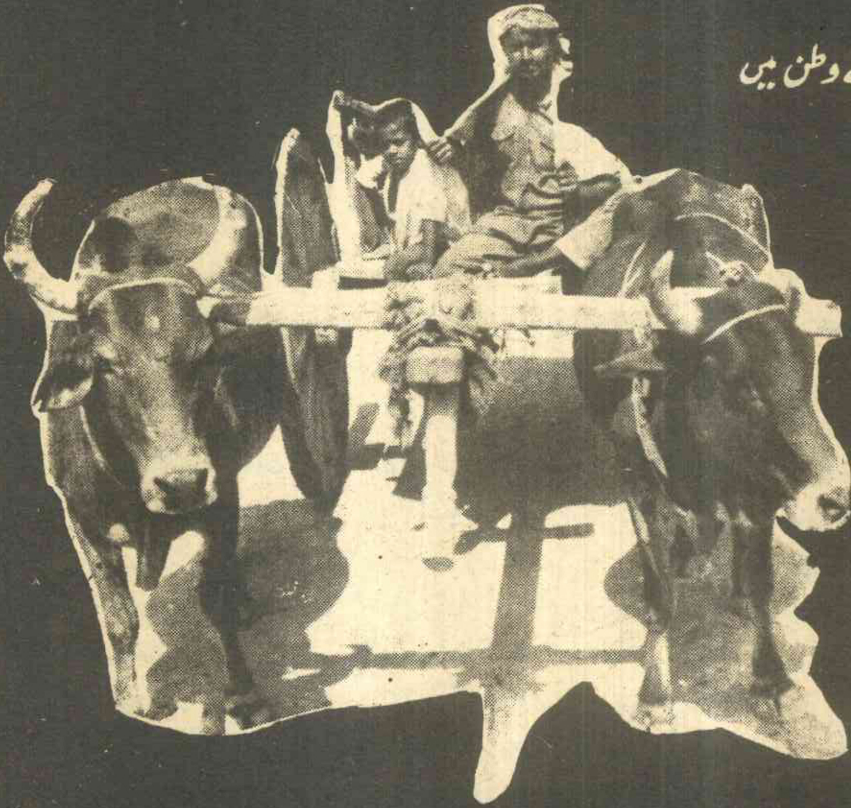
سفید ہاتھی کا خرچ

بچاس ہزار روپے ماہانہ ہے

کھلے۔ کیونکہ شبیر علی کے پروردہ بیوروکریٹس اب بھی کراچی اور لاہور راولپنڈی کے ٹیلی ویژن اسٹیشنوں پر قابض ہیں۔ عوامی حکومت کے آنے کی دیر ہے، پھر ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آئے گا۔

کراچی ٹیلی ویژن نے گذشتہ دو مہینے سے ایک سفید ہاتھی پال رکھا ہے۔ اس کا نام ضیا محی الدین ہے جو ہر ہفتہ کو فلیٹ کلب میں بھانڈ بنتا ہے۔ اور بڑی بڑی معزز شخصیتوں کی پگڑی اچھالنے کے چھ ہزار روپیہ ماہوار پاتا ہے۔ یعنی ہر پروگرام میں ڈگڈگی بجانے کا معاوضہ اسے ڈیڑھ ہزار روپیہ ملتا ہے۔ فلیٹ کلب میں تماشائیوں کی موجودگی میں ضیا محی الدین شو پیش ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا وی ٹی آر تیار ہوتا ہے پھر یہ ٹیپ شدہ پروگرام ایڈیٹ کر کے ہر بدھ کو ٹی وی پر پیش کیا جاتا ہے۔ شاید ناظرین کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ اس ایک پروگرام پر دس ہزار سے بارہ ہزار روپیہ تک رقم خرچ ہوتی ہے گویا تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہر ماہ ایک پروگرام پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی عام ناظرین کو معلوم نہیں ہوگی کہ اس شو کا اسکرپٹ کئی ماہر لکھتے ہیں جسے محی الدین اور اس کے کرداروں کو یاد کرنا پڑتا ہے۔ اسکرپٹ لکھنے والوں میں ریڈیو پاکستان کے سابق ڈائرکٹر جنرل زیڈ اے بخاری، حمید کاشمیری اور علی ظفر جعفری وغیرہ شامل ہیں۔ ضیا محی الدین شو کی ابتدا میں مقبول انگریزی پروگرام "آئرن سائڈ" کی طرح ضیا محی الدین کی مختلف آسنوں میں تصویریں خاصی دیر تک دکھائی جاتی ہیں۔ اور جب پردہ اٹھتا ہے کہ تو ضیا صاحب میز کرسی پر احمقوں کی طرح ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور پھر باری باری سے ایک ایک مہمان کو اس طرح آواز دے کر اسٹیج پر بلاتے ہیں، جیسے کچہری کا چپراسی گواہوں کو پکارتا ہے پچھلے پروگرام میں ضیا محی الدین نے پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو کا ذرا لحاظ نہ کیا۔ اور ان کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا۔ جو وہ عموماً مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہروں اور فن کاروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ بیگم بھٹو کو کھل کر آزادانہ طور پر گفتگو کرنے کا موقع دانستہ نہیں دیا گیا۔ پھر بھی انہوں نے یہ کہہ ہی دیا کہ ہمارے ملک میں غربت بہت ہے بے شمار بچوں کو جب میں گلیوں اور سڑکوں پر میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑوں میں کھیلتے آوارہ گھومتے یا گالیاں بکتے دیکھتی ہوں تو مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے یہ وہ بچے ہیں جن کی تعلیم کا خرچ غریب والدین نہیں اٹھا سکتے۔ اسکول یہاں تجارتی بنیاد پر چلائے جاتے ہیں۔ تعلیم یہاں فروخت ہوتی ہے جسے صرف پیسے والے ہی اپنے بچوں کے لئے خرید سکتے ہیں۔ کسی حکومت نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دی۔ ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک اس اہم مسئلہ کا حل کیا ہے؟ بیگم بھٹو نے جواب دیا "عوامی حکومت آنے دیجئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس جواب پر ضیا محی الدین نے تماشائیوں سے قہقہہ لگوایا، جیسے یہ کوئی لطیفہ ہو۔ بیگم بھٹو کو روانی اور بے تکلفی کے ساتھ اردو میں گفتگو کرتے ہوئے دقت پیش آ رہی تھی۔ لیکن اپنی رائے کے اظہار میں وہ قطعی جھجک محسوس نہیں کر رہی تھیں۔ نسیم احمد نے جب امریکیوں کا ذکر چھیڑا تو بیگم بھٹو کے ماتھے پر نفرت کی لکیریں ابھر آئیں۔ انہوں نے نسیم احمد کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ امریکیوں کا کیا ہے ان کے پاس تو کھانے کو اتنا ہے کہ انہیں باقی سمندروں میں پھینکنا پڑتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے بیگم بھٹو نے کہا کہ ابھی پاکستانی خواتین کو مردوں کے برابر حقوق نہیں ملے۔ وہ ان کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ اسمبلیوں میں عورتوں کے لئے الگ نشستوں کی تخصیص قطعی غیر جمہوری طریقہ ہے۔ جب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر الیکشن کرائے گئے تو عورتوں کو بھی امیدوار کی حیثیت سے الیکشن کرانے کی پوری آزادی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ عورتوں میں

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیے



اپنے وطن میں

گنے کے کاشت کار

استحصالیوں کے نرغے میں

ج - ن قریشی

نواب شاہ اور سانگھڑ میں گزشتہ دنوں سے گنے کے کاشتکاروں کے مظاہرے جاری ہیں سانگھڑ میں تو گنے کے کاشتکاروں نے فروری کے آخری ہفتے میں ڈپٹی کمشنر کے سامنے اپنی شکایات پیش کرنے کے لئے ان کے دفتر کا گھیراؤ کیا - اور جب کاشتکاروں کے کئی گھنٹے کے "انتظار" کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب ان کی بات سننے کے لئے آئے تو شوگر ملز کی انتظامیہ کے رویّہ کے خلاف کاشتکاروں کی شکایت سنتے ہی ڈپٹی کمشنر صاحب برہم ہو گئے اور انھوں نے مظاہرہ کرنے والے کاشتکاروں کو وارننگ دی کہ اگر انھوں نے شوگر ملز کی انتظامیہ کے رویّہ کے خلاف بھوک ہڑتال کی تو نتائج ان کے حق میں بہتر نہیں ہوں گے - ڈپٹی کمشنر صاحب کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک ایس پی نے کاشتکاروں کو دھمکی دی کہ انھوں نے بھوک ہڑتال شروع کی تو وہ ان کو گاڑی میں ڈال کر راجستھان لے جائیں گے اور وہاں آرام سے بھوک ہڑتال کرنے کے لئے چھوڑ آئیں گے -

شوگر ملز کے خلاف گنے کے کاشتکاروں کے وہ "گستاخانہ کلمات" جن پر یہ افسران برہم ہوتے" صرف یہ تھے کہ:

• شوگر ملز کی انتظامیہ ہم سے گنا خریدنے سے انکار کر رہی ہے اور اس طرح ہماری فصلیں تباہ ہو جائیں گی

• شوگر ملز کی انتظامیہ سرکاری نرخ پر گنا خریدنے کی بجائے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے کم قیمت پر گنا خرید رہی ہے اور کم قیمت پر گنا نہ دینے والے چھوٹے کاشتکاروں کا بائیکاٹ کر رہی ہے۔

• شوگر ملز کی انتظامیہ کاشت کاروں سے گنے کی ایک ایسی قسم فراہم کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے جو اس علاقہ میں کاشت نہیں کی جا سکتی، جس کا فصل بونے سے پہلے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا تھا اور جس کے بیج بوائی کے وقت کاشت کاروں کو مہیا نہیں کئے گئے تھے۔

• شوگر ملز کی انتظامیہ بڑے بڑے کاشت کاروں سے غلہ خرید رہی ہے اور ان چھوٹے کاشت کاروں کو انتقام کا نشانہ بنا رہی ہے جو اسے اس کی شرائط کے مطابق گنا خریدنے کی بجائے سرکاری مراعات اور تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

• شوگر ملز کی انتظامیہ کے مظالم کا شکار ہونے والے چھوٹے کاشت کاروں کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جا رہا ہے اور انھیں ڈھل اور مالیہ کی ادائیگی کا ہوّا دکھا کر ملز کی انتظامیہ کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا رہا ہے -

غریب کاشت کار جانتے ہیں کہ ملز کی انتظامیہ کے بارے میں ان کے "گستاخانہ کلمات" کو "بڑے لوگ" پسند نہیں کرتے لیکن پھر بھی وہ اپنی فریاد لے کر انھی "بڑے صاحب لوگوں" کے پاس جانے پر مجبور ہیں - کاشت کاروں کے ساتھ پریشانی یہ ہے کہ وہ سال بھر کی محنت اور خون پسینہ ایک کر کے جو فصل پیدا کرتے ہیں وہ اگر فروخت نہ ہو تو اپنے بال بچوں کا پیٹ نہیں بھر سکتے - اپنے بال بچوں کی شکم پُری کے لئے انھیں ہر قیمت پر اپنی فصلوں کو فروخت کرنا ہوتا ہے - سندھ کی زمینیں کسی زمانے میں چاول کی کاشت کے لئے بہت موزوں تصور کی جاتی تھیں - اور چاول کی پیداوار سے چھوٹے کاشت کاروں کی سال بھر کی شکم پُری کا سامان ہو جاتا تھا لیکن سیم کی وجہ سے یہ زمین چاول کی کاشت کے لئے موزوں نہیں رہی - پھر اس علاقے میں گنے کے کارخانوں کے قیام سے کاشت کار کو یہ امید بندھی کہ اب اس کی پیداوار کی کھپت بہتر طریقے پر ہو سکے گی، اب اس کی معاشی حالت سدھر جائے گی لیکن گنے کے کارخانے استحصال کا ایک اور ذریعہ ثابت ہوئے ایوب خاں کے مراعات یافتہ اجارہ دار سرمایہ دار خاندانوں نے مختلف علاقوں میں شوگر ملز قائم کرنے کے لائسنس حاصل کرتے ہی اپنی روایات کے مطابق کاشت کاروں کے استحصال کے طریقے بھی ڈھونڈ لئے - اور مزدوروں اور کسانوں کے اس مشترکہ لہو سے لذتِ کام و دہن کے سو سو سامان کئے۔

دیہاتی علاقوں سے بھرتی کئے جانے والے مزدوروں، قلیوں اور منشیوں وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ محنت کے معاوضہ میں کم سے کم مراعات دی گئیں - اور غریب کاشت کاروں کے خون پسینے کا حاصل کم سے کم داموں خریدنے کے لئے "دلالوں اور کمیشن ایجنٹوں کا طریق کار وضع کیا گیا - اس طریقے کے دو فائدے تھے - اول یہ کہ شوگر ملز کے مالکان حکومت کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتے تھے کہ ہم تو سرکاری نرخ پر کسانوں سے گنا حاصل کرتے ہیں اور اس بنیاد پر وہ تمام مراعات حاصل کر لیتے تھے جو حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس اور دوسرے معاملات میں انھیں مل سکتی تھیں - دوسری جانب کاشتکاروں کے سامنے یہ عذر پیش کیا جاتا رہا کہ ہم تو پورے داموں ہی دلال سے گنا لیتے ہیں:

ہمیں کیا خبر وہ آپ کو کتنے پیسے ادا کرتا ہے۔ اس طرح گنا کم داموں خرید کر اسکے زیادہ دام حساب کتاب اور سرکاری اندراجات میں ظاہر کئے جاتے رہے۔ یہ صورت حال تکلیف دہ تھی لیکن کسانوں کو اتنا اطمینان ضرور تھا کہ ان کی فصلیں ضائع نہیں ہوں گی۔ شوگر ملز بہر حال ان کی فصلیں خریدنے کے پابند ہیں۔ گذشتہ دنوں شوگر ملز سے یہ پابندی ختم کر دی گئی کہ وہ اپنے آس پاس کے دس میل یا پندرہ میل کے رقبے کے اندر کاشت ہونے والے گنے کی خریداری کے پابند ہیں۔ انھیں یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ پورے علاقہ میں جہاں سے چاہیں گنا خرید سکتے ہیں۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شوگر ملز نے کاشت کاروں سے یہ کہہ کر گنا خریدنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں تو دوسری قسم کے گنے کی ضرورت ہے جو فلاں علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہتھیار ہے جو کاشت کار کو شوگر ملز کے منتظمین کے آگے گھٹنے ٹیک دینے اور ان کی ہر شرط تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ غریب کاشت کار سال بھر کی محنت تباہ ہوتی اور اپنے بال بچے بھوک سے تڑپتے نظر آتے ہیں تو فصل اونے پونے دام فروخت کرنے پر راضی ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ سرمایہ دار جو شہروں میں چینی کی مصنوعی قلت پیدا کر کے چینی کے دام بڑھاتے رہتے ہیں، دیہات میں غریب کسان کا پیٹ کاٹ لیتے ہیں۔

سانگھڑ، نواب شاہ اور سندھ کے دوسرے علاقوں کے بعض کاشت کاروں نے اس صورت حال کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے شوگر ملز سے مطالبہ کیا کہ ان کی فصلیں سرکاری نرخوں پر خریدی جائیں اور انھیں وہ عام مراعات مہیا کی جائیں جن کا حکومت نے انھیں مستحق گردانا ہے ان کاشت کاروں کو ڈھل اور مالیہ کی ادائیگی کا ہوا دکھا کر شوگر ملز کے آگے جھکنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

گنے کے چھوٹے کاشت کار جو شوگر ملز کی انتظامیہ کے انتقام کا نشانہ بن رہے ہیں ایک جانب یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ فصل کی تباہی کے بعد ان کے بال بچوں کی شکم پری کیسے ہوگی تو دوسری جانب انھیں یہ فکر مارے ڈال رہی ہے کہ اس فصل پر، جو ان کی اور ان کے بچوں کی بھوک مٹانے کا سامان نہیں کر سکی، انھیں مالیہ بھی ادا کرنا ہے۔ یہی وہ مجبوری ہے جو ان کاشت کاروں کو "صاحب لوگوں" کے در پر فریادی بنا کر لے جاتی ہے لیکن "صاحب لوگ" ان کی فریاد سننے کی بجائے انھیں دھمکیاں دے کر لوٹا دیتے ہیں۔ یہی وہ مجبوری تھی جس کے تحت کاشت کاروں نے سانگھڑ کے ڈپٹی کمشنر سے کہا تھا کہ یا تو شوگر ملز کے منتظمین کو ہمارا گنا خریدنے پر مجبور کیا جاتے یا ہم پر مالیہ معاف کر دیا جاتے۔ شوگر ملز کے استحصال سے تنگ آتے ہوتے ایک کاشت نے اگر یہ کہہ دیا کہ اگر ہماری بھوک کا علاج نہ کیا گیا تو ہم اپنے ہاتھوں سے سینچی ہوئی فصل انھی ہاتھوں سے جلا دیں گے، ہم جبری بھوک کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے بھوک ہڑتال کریں گے تو یہ شاید اتنا سنگین جرم تو نہیں تھا کہ ان کی بات بھی نہ سنی جاتی۔ آج کے دور میں قتل کے مجرموں تک کی بات سنی جاتی ہے، شوگر ملز کی انتظامیہ کی شان میں گستاخی کا جرم اس سے زیادہ تو سنگین نہیں۔ پھر ان کی فریاد کیوں نہیں سنی جاتی ؟؟؟

بقیہ: ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

پاکستان کی سلامتی اور وحدت قائم رکھنے اور عوام کو امریکی اور سامراجی سازشوں سے خبردار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مغربی پاکستان بھر میں جلسے منعقد ہوں اور عوام کو اصل صورتِ حال سے آگاہ رکھا جائے۔

پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کو مشرقی پاکستانی عوام پر تشدد کی مذمت کرنی چاہئیے تھی اور اس کے ساتھ غیر ملکی مداخلت کی بھی اور ان سازشوں کا افشا بھی کرنا چاہئیے۔ جو جنوب مشرقی ایشیا میں امریکی اڈے کے قائم کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ پیپلز پارٹی کو عوام نے ووٹ اقتصادی اور خارجہ پالیسی کے لئے دیئے ہیں۔ اس لئے پیپلز پارٹی کو مصلحت کوشی چھوڑ کر امریکہ کے خلاف کھل کر تحریک چلانی چاہیے۔

سیاسی استحصال کی پیش بندی لازمی ہے

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

البعد طے شدہ امر ہو گیا ہے اس لئے وفاقی ریاستوں کو دوسرے اختیارات کے ساتھ "بیرونی ملکوں سے لین دین امداد اور تجارتی معاہدے کرنے کی آزادی" دینا بھی معاشی انصاف پسندی اور معاشی برابری کے اصولوں کے تحت بڑی خوش آیند بات ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ آزاد اور سوشلسٹ اکانومی کے اصولوں کی پیروی بھی ہے۔ مگر اس صورتِ حال کی ایک اور دوسری تصویر بھی ہے۔

سوشلزم کے اصولوں میں سے ایک اصول مخصوص تاریخی اور جغرافیائی حالات کو پیش نظر رکھ کر اصلاحات اور تبدیلیوں کو بروئے کار لانا ہے۔ مغربی پاکستان کے ساتھ ان جغرافیائی اور تاریخی حالات کے ساتھ ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے۔ اور وہ ہے پورے پاکستان کی اقتصادی اور معاشی حالت کا یہ پہلو کہ اس کی پسماندگی کا درماں ہمارے بزرگوں نے کبھی بیرونی امداد کے تعویذ سے کیا تھا۔ تعویذ اور ہماری دونوں اپنی جگہ لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ اس جادوگر کی بوتل کا جن یعنی امدادی قرضہ اب بوتل سے باہر آ گیا ہے۔ تجارتی لین دین کی بات بعد کو ہو گی مسئلہ اول یہ ہے کہ جب ہر صوبہ بیرونی ممالک سے "خارجہ پالیسی کی حدود" کے اندر رہ کر معاملات کرے گا تو سب سے پہلے امداد دینے والا جادوگر (یعنی سام دی مجی شیٹین) سب سے پہلے اپنے گذشتہ سے پیوستہ ادھار کھاتے کا حساب کتاب طلب کرے گا۔ اور چونکہ بیرونی امدادی معاملت پر ہر صوبہ کا نجی فعل ہو گا اس لئے اس ادھار کھاتے کو چکانا بھی تو بہر حال کسی نہ کسی کا فرض ہو گا؟ چھ نکاتی دستور یہ فرض کس کو چکانا چاہتا ہے؟ مرکزی حکومت کو تو صوبے صرف دفاع اور وزارت خارجہ کے اخراجات بھر کی رقم دیں گے پچھلے قرضوں کی ذمہ داری بھی مرکزی حکومت کے سر ہی ہوگی (اس لئے کہ کون سا صوبہ اتنا غنی ثابت ہو سکتا ہے جو امداد کے ہاتھی کو اپنے دروازے پر باندھے گا؟) اور مرکزی حکومت کو نہ ٹیکس لگانے کی اجازت ہوگی نہ اس کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی ہوگا۔ رہا صوبوں کا معاملہ تو پھر ہر صوبہ اعداد و شمار سے اپنے یہاں کے ترقیاتی اخراجات کا گوشوارہ پیش کر کے قرضہ جات کی ادائیگی کی ذمہ داری سے ممکنہ حد تک برأت کا اعلان کر دے گا۔ اس لئے کہ اسے اپنی موجودہ ترقی کے لئے بھی اخراجات فراہم کرنا ہوں گے۔ اور اپنے عوام کی غربت اور پسماندگی کو قلیل سے قلیل مدت میں دور کرنا ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ پیش نظر خطرات کی پیش بندی کے لئے، کیا اس نکتہ کی وضاحت اور اس میں کسی قسم کی ترمیم کو عوامی لیگ غیر ضروری سمجھتی ہے؟ اور سمجھتی رہے گی؟؟ چنانچہ مذکورہ خطرات کے معرض وجود میں آنے کے بعد وہ کون سا ملک ہو گا جو ان غیر یقینی حالات میں دست امداد دراز کرے گا؟ اور کس یقین دہانی پر کرے گا——؟

اس نکتہ کا دوسرا پہلو آئندہ کی تجارت سے ہے "بنگلہ دیش" اور پنجاب کو چھوڑ کر اور باقی تینوں صوبوں اور آزاد قبائلی علاقوں کے معیشی وسائل پر نظر ڈالنے کی زحمت کی جائے تو سامنے کی بات یہ ہے کہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور آزاد قبائلی علاقے کے پاس وہ کون کون سی اشیاء ہیں جن کو برآمد کر کے یہ اپنی معیشت کی بیرون ممالک سے منگائی جانے والی ضروریات مثلاً مشینری وغیرہ درآمد کر سکتے ہیں؟——

لامحالہ صورت حال کا مداوا بیرونی امداد ہی رہ جاتا ہے سو اس کا حال ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ کیا ہو گا——؟

اب اگر اس آخری مداوا کو ان صوبوں سے قبول ہی کرانا ہے تو یہ خطرہ تصوراتی اور خیالی نہیں رہ جاتا کہ پھر معاشی دباؤ ہر صوبے کو بصورت مجبوری مرکزی وفاقی حکومت کی متعین کردہ خارجہ پالیسی سے انحراف کرے اور حسب سہولت اپنی معاشی ضروریات کی خاطر خواہی نخواہی بیرونی اثرات کو دعوت دے۔ اس لئے کہ بے حساب اور علی الحساب امدادی سہولت تو صرف ایک ہی ملک دے سکتا ہے۔ اور اس ملک کی امدادی سہولتوں نے پاکستان کو جس درجے تک پہنچا دیا ہے اس کو کون نہیں جانتا؟

کیا اب بھی اس سوال کو دہرانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان نکات کو بلا ترمیم جوں کا توں منوانا اپنی آن اور ناک کا مسئلہ بنا لینا ایک نامحسوس استحصال پسندی کی راہوں پر چلنے کے خدشات کو تصدیق نہیں کراتا۔

فیصلہ ہو چکا ہے

ناعاقبت اندیش مشیروں سے جلد چھٹکارا پا لیا جائے

افضل صدیقی

فیصلہ ہو چکا ہے!

فیصلہ کا اعلان آج نہیں تو کل ہو کر رہے گا۔

اس فیصلے میں ۲۳ سال لگے ہیں اور اس میں بہت سے عوامل نے کام کیا ہے۔ مجرم وہ ہیں جنھوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے ذاتی مفادات پورے کرنے کے لئے ان عوامل کو ایکسپلائٹ کیا ہے اور متحدہ پاکستان کے تصور کو پامال کر کے گروہی اور علاقائی اغراض کی کند چھری سے قومی مفادات کو ذبح کیا ہے۔ ان مجرموں کو ہر حکومت نے اپنے دامن میں پناہ دی ہے۔ اُن کا حوصلہ بڑھایا ہے اور من مانی کرنے کی کھُلی چھوٹ دی ہے۔ اور جب پانی سر سے گزر گیا ہے تو کچھ مجرموں کو سزائیں دی گئی ہے۔ سزا بھی اس نوعیت کی کہ صرف ان کی نوکری چھین لی گئی مگر انھیں سرکار کے علاوہ ہر جگہ ہر کام کرنے اور سرکاری کارندوں پر اپنا اثر ڈال کر اپنے ڈھی پڑنے مقاصد پورے کرنے کی پوری آزادی دے دی گئی۔ صرف ۳۰۳ افسروں کے سرکاری اختیارات سلب کر کے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ افسر شاہی کا خاتمہ ہو گیا۔ ملک تباہی سے بچ گیا اور قومی خوشحالی کا دَور بس شروع ہوا چاہتا ہے۔ یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ ان کی چھاپ کتنی گہری اور جڑیں کتنی مضبوط ہیں — مشینری وَہی رہی، کچھ پُرزے بدل دیئے گئے۔ اِن پرزوں کو وہی کام کرنا تھا جو اُن سے پہلے کے پُرزے مشینری کو چلانے کے لئے کیا کرتے تھے۔ یہ مشینری زنگ آلود ہو گئی ہے۔ اِسے یکسر بدلا جا سکتا تھا۔ مگر نہیں بدلا گیا۔ اسی لئے مشینری ٹھیک نہیں چل رہی ہے۔ ٹھیک چلتے چلتے بگڑ جاتی ہے۔

انتخابات ۱۷ جنوری کو مکمل ہو گئے تھے۔ قومی اسمبلی کا اجلاس جلدی بلایا جا سکتا تھا

پہلے سیلاب اور طوفان کے باعث الیکشن ملتوی ہوئے تھے۔ جب الیکشن ہو گئے تو اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہو گیا۔ اور اس سے بھی پہلے ون یونٹ توڑ دیا گیا۔ ون یونٹ توڑنے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ جب مغربی پاکستان میں ون یونٹ توڑا گیا تو مشرقی پاکستان میں بھی چار صوبے بنانے کا مشورہ کیوں نہیں دیا گیا۔..

ان سب مشوروں کے نتائج قوم کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ اور ابھی نہ معلوم کب تک بھگتنے پڑیں گے۔ ان مشیروں میں، مشینری کے ان پرزوں میں ایم ایم احمد کا نام بھی لیا جا رہا ہے۔ اور ان کا نام ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خاں اور بدنام وزیر اطلاعات شیر علی نے بھی لیا ہے۔ نور خاں نے کہا ہے:

"افسر شاہی کے بعض عناصر نے جن میں ایم ایم احمد بھی شامل ہیں غلط حکمت عملی سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے دور کر دیا حکومت سے متعلق بعض افراد موجودہ آئینی بحران میں براہ راست مداخلت کرتے رہے اور بعض سیاسی جماعتوں کو ہدایات دیتے رہے۔"

نور خاں نے میاں دولتانہ اور شوکت حیات کو گواہ قرار دے کر بتایا کہ انہوں نے ایئر مارشل سے خود یہ کہا کہ ان کو ان اعلیٰ افسروں نے اسمبلی کے بائیکاٹ کے فیصلہ کی ہدایت کی تھی۔ دعویٰ کرنے والا بھی موجود ہے۔ اور گواہ بھی موجود ہیں مگر ان سے پوچھ کر تصدیق کرنے کی فرصت کسے ہے

شیر علی کا کہنا ہے کہ صدر کے مشیروں اور خصوصاً صدر کے مشیر خاص نے صدر کو اس طرح کے مشورے دیئے کہ مارشل لا کا جواز نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شیر علی کو اور نور خاں کو ملازمت سے نکالے جانے کے بعد اب اس قسم کے دعوے کرنے کی فرصت ملی ہے۔ حالانکہ ایم۔ ایم احمد ان دونوں کی وزارت و ملازمت کے وقت بھی موجود تھے اور جن دوسرے افسران کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ پہلے بھی حکم چلاتے تھے اور آج بھی چلاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے سب کچھ جانتے بوجھتے آنکھوں پہ پٹی کیوں باندھے رکھی؟ صدر کو اور قوم کو دھوکے میں کیوں رکھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کے اپنے کچھ مفادات رہے ہوں گے۔ اور آج جب انھیں دھتکار دیا گیا تو وہ اپنے ہی حواریوں کی قلعی کھولتے پھرتے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ وہ خود بھی اسی مشینری کے کل پرزے تھے ایک شخص ایئر مارشل اور دوسرا میجر جنرل رہ چکا ہے۔ اتنے بلند منصب پر پہنچنے کے بعد بھی وہ عام انسانوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے ذہنوں میں مختلف نوعیت کے تحفظات رکھتے ہوں گے۔

یہ ایک افسر کی بات نہیں ہے ایسے بہت سے افسر ہیں۔ بہت سے تاجر اور صنعت کار بڑے بڑے سرمایہ دار اور اجارہ دار وڈیرے بھی ہیں جو موجودہ نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ جو نہیں چاہتے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان ایک رہیں۔ پاکستان ایک وحدت کے طور پر زندہ رہے اور اسے کسی غیر ملکی طاقت کا دست نگر نہ بننا پڑے۔ یوسف ہارون کو کون نہیں جانتا۔ سابق وزیر خزانہ محمد شعیب سے کون واقف نہیں۔ ان کے امریکہ سے کیا رشتے ہیں یہ کسے نہیں معلوم۔ اور یہ بات بھی کس سے ڈھکی چھپی ہے کہ پاکستان میں اور خصوصاً مشرقی پاکستان میں امریکہ کے کیا مفادات ہیں۔ فارلینڈ اور دوسرے امریکی افسروں کی سرگرمیاں انتخابات کے بعد کتنی تیز اور کتنی مشکوک ہو گئی ہیں۔ امریکہ نے معرکہ ستمبر ۶۵ء میں بھی پاکستان کو نہتا کر دینا چاہا تھا۔ اور ابھی تک اس نے پاکستان کے لئے جو امداد روک رکھی ہے تو وہ کس مقصد کی تکمیل کے لئے روکی ہے؟ اور عالمی بنک کے ایک ڈائرکٹر وڈز نے جو یہ کہا تھا کہ آئندہ امداد مشرقی پاکستان کو دی جائے تو اس کا کیا مطلب تھا؟ فارلینڈ سے ملنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کو یہ تردید کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی "کہ انھوں نے امریکہ سے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی اپیل نہیں کی تھی۔

اور اب شیخ مجیب الرحمان کس کے اشارہ پر احکام نافذ کر رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ ٹیکس نہ دیں۔ اسٹیٹ بنک اور دوسرے کاروباری ادارے کب کھلیں۔ لوگ کب جلوس نکالیں۔ کب مظاہرے کریں، طیارے اور ٹرینیں چلیں یا نہ چلیں اس کا فیصلہ صرف شیخ صاحب کرتے ہیں۔ انتظامیہ بے بس ہے۔ اس تمام صورت حال کی ذمہ داری شیخ صاحب پر ہے۔

صدر یحییٰ خاں نے ۶ر مارچ کو اپنی نشری تقریر میں قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۵ر مارچ کو بلانے کا اعلان کرتے ہوئے بڑی دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ کہا ہے کہ شیخ مجیب نے ان کی دعوتِ ملاقات ٹھکرا دی۔ ۱۰ر مارچ کو گول میز کانفرنس (ان کے بنگلہ دیش میں) بلائی گئی اس میں بھی شرکت کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ مفاہمت اور افہام و تفہیم کے جذبے سے کام لینے کے بجائے مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کا جو طرزِ عمل رہا اسی کے نتیجے میں لاقانونیت کا بازار گرم ہوا۔ پھر صدر نے وہی کیا جو ان کا فرض تھا۔ بقول ان کے مٹھی بھر افراد کو کروڑوں افراد کے وطن کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی لیکن صدر کے ان اقدامات کو مشرقی پاکستان کے رہنماؤں نے غلط معنی پہنائے۔ مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری تاج الدین نے کہا "بنگلہ دیش کے مختلف حصوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے مرنے اور زخمی ہونے کی اطلاعات آ رہی ہیں۔ ہم شدید ترین الفاظ میں فوجیوں کے اس رَوّیہ کی مذمت کرتے ہیں۔ آج ہر مرد عورت اور بچہ نجات حاصل کرنے اور بنگلہ دیش کا آزاد شہری ہونے کا عزم کر چکا ہے۔"

یہ رویہ متحدہ پاکستان کے لیڈروں جیسا رویہ نہیں ہے!

بات چیت کے ذریعہ آئین سازی اختلافی معاملوں کو طے کرنے کی پہلے بھی مہلت دی گئی تھی۔ صدر نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اب انہوں نے ۲۵ر مارچ تک کی مزید مہلت دی ہے۔ صدر کا یہ آخری انتباہ اور آخری اقدام ہے۔ اس کے بعد ملک کو بچانے کے لئے انہیں اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ شیخ صاحب کے سابقہ رویہ کے پیش نظر پیپلز پارٹی سے مفاہمت پر ان کی آمادگی کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس کے بغیر اگر ۲۵ر مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں تمام پارٹیوں کے منتخب نمائندوں نے شرکت کی تو آئین سازی کے راستے میں بدستور دشواریاں حائل رہیں گی۔ اور اگر چھ نکات کی بنیاد پر

اکثریتی پارٹی نے آئین بنا کر منظور کرا لیا تو وہ صدر کے لیگل فریم ورک آرڈر کے منافی ہوگا۔ اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ اور پھر وہی ہوگا جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

صدر مملکت کو اپنی مشینری کے کل پرزوں پر نظر رکھنی ہوگی۔ صدر کو اگر یقین ہے کہ ان کے بعض مشیر غلط مشورے دیتے رہے ہیں تو ان سے جلد از جلد چھٹکارا ضروری ہے۔

بقیہ : کانگ بی جی

کانگ بی جی ہے۔ تمہاری طرف نو کو پرزادھار ہیں۔" "میں پھر کبھی دے دوں گا۔" وہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"یہ نقد پیسے لو اور مجھے شراب دو۔"

باس نے کانگ بی جی سے مذاق کرتے ہوئے کہا۔" کانگ بی جی آج پھر کہیں چوری کی ہے؟"

اس کا جواب سادہ تھا۔" مجھ سے مذاق نہ کرو۔"

"مذاق؟ اگر تم نے چوری نہیں کی تو تمہاری ٹانگیں کس طرح سے ٹوٹی ہیں؟"

"میں گر گیا تھا۔" کانگ بی جی پھسپھسایا، "گرنے سے ٹوٹ گئی تھیں۔" اس کی آنکھیں دکالت کر رہی تھیں کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ اس اثنا میں بے شمار لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ اور سب باس کے ساتھ مل کر قہقہہ لگا رہے تھے۔ میں نے شراب گرم کی۔ اور پیالہ بھر کر اس کی میز پر رکھ دیا۔ اس نے اپنے پھٹے ہوئے کوٹ کی جیب میں سے چار کو پرز نکال کر مجھے دیئے۔ میں نے دیکھا اس کے دونوں ہاتھ کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ بار میں بیٹھے ہوئے لوگ اس پر پھبتے کستے رہے۔ طنز کے تیر سے اس کے جسم کو چھلنی کرتے رہے۔ اپنے بے ہنگم قہقہوں سے اس کی روح میں اذیت کا زہر گھولتے رہے۔ مگر وہ خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ اس نے کسی کی باتوں کا جواب نہ دیا۔ شراب ختم کرنے کے بعد گلاس میز پر رکھ دیا۔ اور آہستہ آہستہ گھسٹتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک لمبی مدت گذر گئی۔ مگر کانگ بی جی دوبارہ نظر نہ آیا۔ سال کے اختتام پر میرا باس اکاؤنٹ چیک کر رہا تھا۔ اس نے پھر کہا۔" کانگ بی جی کی طرف نو کو پرز نکلتے ہیں۔" دوسرے سال۔ ڈریگن بوٹ کے تہوار کے موقع پر اس نے پھر یہی جملہ دہرایا۔ لیکن جب دوبارہ موسم خزاں کا تہوار آیا تو خلاف معمول اس نے کچھ نہ کہا۔ اور خاموش رہا۔ دوسرے سال نئے کے موقع پر بھی کانگ بی جی نظر نہ آیا۔

میں نے بھی اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگ بی جی درحقیقت مر چکا تھا ——— !

بقیہ : ٹیلیویژن پروگرام

سے کوئی منتخب نہ ہو سکی۔ اس کا سبب امیدوار خواتین کی نااہلی کہیئے یا مردوں کا تعصّب۔ تاہم ووٹ دینے کے معاملہ میں پاکستانی عورتوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

بیگم بھٹو کے بعد نسیم احمد۔ رونا لیلیٰ اور لبنیٰ لطیف کو بلا کر ان سے بھی گفتگو کی گئی۔ ضیا محی الدین نے ان سے رٹے رٹائے سوال کئے۔ جو اسکرپٹ رائٹروں نے مرتب کیے تھے۔ بھانڈ پن میں جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی وہ ضیا محی الدین نے رونا لیلیٰ کے ساتھ ڈوئٹ گا کر پوری کر دی۔ اخباروں میں ضیا محی الدین شو کی تعریف میں مراسلے چھپوائے جا رہے ہیں۔ ان فرضی مراسلہ نگاروں کو جب یہ پتہ چلے گا کہ اس پروگرام پر تقریباً پچاس ہزار روپیہ ماہوار خرچ کیا جاتا ہے تو شاید وہ قصیدہ خوانی بند کر دیں۔

محرم کی دوسری تاریخ کو پچھلے سال کی گھوڑوں اور مویشیوں کی نمائش کی ریکارڈ شدہ جھلکیاں دکھا کر کراچی ٹی وی نے شہدائے کربلا کی توہین کی۔ اور سوگوارین حسین ؓ کے ساتھ کھلا مذاق کیا۔ اس سال لاہور میں مارچ میں ہونے والی گھوڑوں اور مویشیوں کی سالانہ نمائش قومی بحران کے پیش نظر منسوخ کر دی گئی تھی۔ مگر کراچی ٹی وی کے عقل سے کورے حکام دور کی کوڑی لائے اور انہوں نے سوگ کے مہینے کی اولین تاریخوں میں پچھلے سال کی نمائش کی جھلکیاں دکھا کر اپنی دانست میں بڑی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اب ٹی وی ٹاور میں بیٹھنے والوں کو کون یہ سمجھائے کہ میلے اور نمائشیں مسرت و شادمانی کا مظہر ہوتی ہیں۔ اور محرم کا مہینہ تمام مسلمانوں کے لئے غم و اندوہ کا مہینہ ہوتا ہے۔ ایک سال پرانے میلے کو دوبارہ پیش کرنے کا یہی ایک موقع رہ گیا تھا کیا؟

افسوس ہے کہ پچھلے ایک ہفتہ کے دوران یعنی ۶ مارچ تک کراچی ٹی وی سے کوئی ایسا پروگرام پیش نہیں کیا گیا جسے فنی اعتبار سے مثالی پروگرام کہا جا سکے۔

بقیہ : مزدور عظیم ہے خدایا

کی۔ حالانکہ ڈپٹی کمشنر کراچی اور جوائنٹ سیکرٹری لیبر کراچی بھی اس معاہدے کے ایک فریق تھے۔ نوکر شاہی اور اجارہ دار سرمایہ داروں کے اس عوام دشمن گٹھ جوڑ سے ولیکا کی انتظامیہ نے فائدہ اٹھایا۔ اور جب ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بجلی بند کر کے کئی کھاتوں میں کام بند کر کے سینکڑوں محنت کشوں کو بے روزگار کر دیا تو تب بھی کراچی کی انتظامیہ اور محکمہ محنت نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

قرارداد میں اس امر پر سخت حیرت کا اظہار کیا گیا کہ ولیکا ملز کی انتظامیہ نے یہ کہہ کر مزدوروں کو ڈیوٹی پر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کو مارشل لاء کی عدالت سے سزائیں ہوئی تھیں۔ کیا مارشل لاء کا سزا یافتہ پاکستان کی شہریت اور روزی کمانے کے حق سے محروم ہو جاتا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں مگر ولیکا کی انتظامیہ نے معاہدہ شکنی اس بہانے سے کی اور کراچی کی انتظامیہ نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ پُرامن اور نہتے محنت کشوں کو جانوروں کی طرح زدوکوب کیا اور جیلوں میں ٹھونس دیا۔

قرارداد میں ولیکا ملز کے جیالے محنت کشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انڈس گیس ایمپلائز یونین کی جانب سے جان و مال ہر طرح کی قربانی دینے کا عزم ظاہر کیا گیا۔ اور حکومت سے مزدوروں کی غیر مشروط رہائی، معاہدے پر عمل درآمد کرانے اور ولیکا ملز کے مالکان پر قانون شکنی کے الزام میں مقدمات چلا کر سخت سزائیں دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

نکسن نے جلد ہی کمبوڈیا پر حملہ کرنے کا وعدہ کیا

——— صفحہ ۲۲۹ سے آگے ———

برخاست ہوئی۔ وہاں سے صدر نکسن وہائٹ ہاؤس باربر شاپ گئے۔ وہاں سے ۵ منٹ میں فارغ ہو کر سیکرٹری روزمیری کو اپنی تقریر لکھوائی جو دوسرے دن ٹیلی ویژن سے نشر کی جانے والی تھی۔

۱۰ بج کر ۴ منٹ پر صدر نکسن نے کنگر کو بلایا۔ کسنگر نے صدر کو اطلاع دی کہ منصوبے کے مطابق جنوبی ویتنام کی فوج نے امریکی فوج کے اشتراک سے پریٹ بیک پر حملہ کا آغاز کر دیا ہے لیکن سائیگان حکومت نے ابھی تک اس حملے کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا تھا اور مجرمانہ طور پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ کسنگر کو پریس رپورٹ کی تفصیلات کا شدت سے انتظار تھا۔

۲۹ اپریل کو کسنگر نے ایس ڈبلیو اے گروپ کے ارکان نے تقریباً پینتالیس منٹ تک بات چیت کی۔ اس کے بعد ۱ بجکر چھیالیس منٹ پر صدر نکسن سے ملاقات کی اور صدر کی ٹیلیویژن تقریر کے بارے میں غور و خوض کیا۔ ان کے بعد کسنگر نے صدر کے ذاتی مشیر تھامس ڈیوے کے ساتھ لنچ کیا۔ اسی اثنا میں کسنگر کو سینٹ ریپبلکن کے نمائندے رابرٹ گریفن نے کمبوڈیا پر جنوبی ویت نام کے حملہ کی اطلاع دی۔

۶ بجکر ۱۰ منٹ پر کسنگر اور ہیلڈامین نے وہائٹ ہاؤس کے اعلیٰ عہدیداروں کو پیریٹ بیک اپریشن سے آگاہ کیا۔ اس روز صدر نکسن دن بھر صدارتی تقریر کی تیاری میں مشغول رہے۔

۷ بجکر ۵ منٹ پر صدر نکسن نے کسنگر سے ملاقات کی، اور تقریر کا متن دیکھا۔ اس کے بعد وہ اوول آفس سے اٹھ کر لنکن سٹنگ روم میں گئے۔ وہاں انھوں نے کچھ داخلی معاملات پر بات چیت کی۔ یہ بات چیت چار بج کر ۴۵ منٹ تک جاری رہی۔

۳۰ اپریل کو ۹ بجے صدر نکسن اپنے دفتر میں گئے جہاں انہوں نے ہیلڈامین اور کسنگر سے باری باری ملاقات کی۔

صدر نکسن نے ٹیلیویژن تقریر میں اپنے منصوبے کے مطابق امریکی عوام کو گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور کمبوڈیا میں امریکی فوجی مداخلت کا اخلاقی جواز پیش کیا مگر موجودہ صورتِ حال نے ثابت کر دیا کہ نکسن کا اخلاقی جواز سامراجی منصوبے کا ایک مذموم ہتھکنڈہ تھا۔ جس کے ذریعہ امریکی عوام کے علاوہ دنیا بھر کے امن پسند عوام کو فریب دینے کی ایک ناکام کوشش کی گئی تھی۔